سلسلۂ انجمن ترقی اردو

نمبر ۲۸

نکات الشعرا

یعنی

تذکرۂ شعرای اردو

مؤلفہ

سرتاج شعرا میر تقی میر

نظام الدین حسین پرنٹر

مطبوعہ نظامی پریس بدایوں

مقدمہ

نکات الشعرا

از قلم

جناب مولانا مولوی محمد حبیب الرحمن خاں صاحب

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۴	۹	منِ دعن	من دعن	۶۳	۱۲	زلف گے	زلف کے
۵	۵	ازاکبراست	ازاکبرآباد است	۷۱	۹	سادۂ رو	سادہ رو
۱۳	۱۱	مشکل ہے اس کا	مشکل اس کا	۷۸	۴	غزل باش	قزل باش
۱۷	۹	جدا کر کر	جدا کر کے	〃	۱۲	آوازۂ پریشاں	آوارہ پریشان
۱۸	۷	شکر کہ تیرا	شکر کر کہ تیرا	۸۵	۱۱	یافتہ است	بافتہ است
۳۱	۴	ای وربنرِ دحسن	ای دربنردِ حسن	〃	〃	میتوانم یافت	میتوانم بافت
۳۲	۱۴	چمن ہبندی	چمن بندی	۱۰۴	۴ کے بعد	———	لکیر نہیں چاہیے۔
۳۵	۲	ترگریباں گیر	تراگریباں گیر	〃	۹	سرکی لٹِ	سرکی لٹ
۳۹	۱۰	کس لِ آزردہ کے	کس دل آزردہ کے	۱۰۵	۶	صبائی احمد آبادی	یہاں نہیں چاہیے۔
		دامن کش ہیں خارچمن	دامن کش ہیں خارِ چمن	〃	۹	•	صبائی احمد آبادی ہونا
۴۵	۶	در فہم شعر	در فہم شعرِ دار				چاہیے۔
		تہ دارِ او	او	۱۰۷	۱۱	کسی نے نہ دیکھا	کسی نے دیکھا
۵۸	۵	نچھڑے	نچھوڑ دیں	۱۱۰	۹	رو رو نچوڑا	رو رو آنجھوں

صفحه	سطر	غلط	صحیح	صفحه	سطر	غلط	صحیح
۱۱۵	۳	طایق النعل	طابق النعل	۱۶۶	۸	اُدھر	اُودھر
؍؍	۴	ہر جپند	ہر چند	۱۶۸	۴	سنبھل کے	اُٹھا کے
۱۱۹	۹	آجان پہنچیو	جان پہنچیو			پہن	چل
۱۲۸	۱۰	بھڑ گائے	بھڑکائی	۱۷۰	۸	ادھر تلک	اُودھر تلک
۱۳۶	۳	نج	تج	۱۷۶	۱۲	لوئی	کوئی
۱۴۲	۱	عا	علی خانصاحب	۱۸۱	۲	سنبل	سنبھل
۱۵۹	۵	بن عاجز	ایں عاجز				
۱۵۰	۵	حس ہو	جس ہو				
۱۶۶	۱	اُدھر	اُودھر				

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بزمِ سخن میں میر صاحب کی میر مجلسی مسلّم ہے۔ ع "آپ بے بہرہ ہے جو معتقدِ میر نہیں"، اُن کے بہتّر نشتر اب تک ہزاروں دلوں میں چبھ رہے ہیں ع ساماں صد ہزار نمکداں کیے ہوئے؛ لیکن بہت ہی کم نگاہیں ہیں جنھوں نے میر صاحب کی انشا پردازی یا وقائع نگاری کا کوئی نمونہ دیکھا ہوگا۔ انجمن ترقی اُردو کا ہم کو ممنون ہونا چاہیے کہ اُس کی کوشش سے میر تقی صاحب۔ میر اکبرآبادی کا تذکرہ "نکات الشعرا" شائع ہوتا ہے۔ عام طور پر ابتداءً اس تذکرہ کا علم تذکرۂ "آبحیات" کے ذریعہ سے ہوا تھا۔ مگر نکات الشعرا کا جو چہرہ آبحیات میں نظر آتا ہے وہ اُن خط و خال کے بالکل برعکس ہے جو اب ہمارے سامنے ہیں۔ اس کی بحث آگے ملاحظہ ہوگی۔

نکات الشعرا چھوٹی تقطیع کے ۱۰۷ صفحوں کا ایک مختصر رسالہ ہے مگر چونکہ ایک استادِ فن کی تصنیف ہے اس لیے۔ ادبی۔ تاریخی اور معاشرتی معلومات اور فوائد سے مالامال ہے۔ اس میں ایک سو دو ۱۰۲ شعرا کا تذکرہ ہے جن میں بتیس ۳۲ دکنی و گجراتی ہیں۔ میر صاحب

دیباچہ میں لکھتے ہیں کہ اب تک شعرائے ریختہ کا کوئی تذکرہ نہیں لکھا گیا۔ اس بیان کے مطابق "نکات الشعرا" اردو شعرا کا پہلا تذکرہ ہی۔ اُس زمانہ کے رواج کے مطابق یہ تذکرہ بھی زبانِ فارسی میں لکھا گیا ہی۔ اُس کا عہدِ تصنیف احمدشاہ بادشاہِ دہلی کا زمانہ ہی۔ میر صاحب کے عہدِ شباب کی تالیف ہی جبکہ وہ دہلی میں تازہ وارد تھے۔ چنانچہ لکھتے ہیں "مولفِ ایں نُسخہ متوطن اکبرآباد است۔ بسببِ گردشِ لیل و نہار از چندے در شاہجہان آباد ست" اندازِ بیان کہہ رہا ہی کہ وطن کی یاد بُھولی نہ تھی۔

مؤلف تذکرہ اس تذکرہ کی مدد سے میر صاحب کے جن حالا اور اوصاف پر روشنی پڑتی ہی اول اُن کا لکھنا خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔ میر صاحب آگرہ کے باشندے تھے اور **خان آرزو** کے تربیت یافتہ شاگرد۔ چنانچہ ایک موقع پر اُن کی نسبت لکھتے ہیں "اُستاد و پیر و مرشدِ بندہ است" تحصیلِ علمی کا حال واضح نہیں ہوتا۔ مگر تذکرہ شاہد ہی کہ فارسی میں استعداد کامل تھی۔ اور اُستاد کی تربیت کا پورا فیض حاصل کیا تھا۔ بعض جگہ عربی کے فقرے بھی استعمال کیے ہیں مثلاً "طاق النعل بالنعل" آگرہ سے دلّی آئے اور خواجہ میر دردؔ قدس سرہٗ اور اُن کے والد ماجد

خواجہ **ناصر** صاحب **عندلیب** کے یہاں آنے جانے لگے۔ اُن کے یہاں اُردو مشاعرہ ہر مہینہ کی پندرھویں تاریخ کو ہوا کرتا تھا۔ میر صاحب اُس میں بھی شریک ہونے لگے خواجہ صاحب اندازِ طبیعت دیکھکر فرماتے "میر محمد تقی۔ تو میرِ مجلس خواہی شد"۔ میر صاحب کا عقیدہ ہی کہ اُن کا کمالِ سخن دعاے "**درد**" کے اثر کا منت کش ہی۔ اتفاقاتِ زمانہ سے مشاعرہ کا سلسلہ خواجہ صاحب کے یہاں درہم برہم ہوگیا تو اُنھوں نے میر صاحب سے فرمایا کہ اپنے یہاں مشاعرہ کیا کرو۔ چنانچہ اس ارشاد کی تعمیل میں ہر مہینہ کی پندرھویں تاریخ کو میر صاحب کے مکان پر مشاعرہ ہونے لگا۔ خواجہ صاحب بھی شرکت فرماتے۔ میر صاحب خواجہ صاحب کے حال میں لکھتے ہیں "مجلسِ ریختہ کہ بخانہ بندہ بتاریخ پانزدہم ہر ماہ مقرر ست واللہ بذاتِ ہمیں بزرگ ست" میر صاحب ایک مرتبہ سہنسر بھی گئے تھے۔ اور وہاں **انعام اللہ۔ یقین**۔ کے دادا سے ملے تھے۔ اُن کے اخلاق و تواضع کی تعریف لکھی ہی۔

میر صاحب کے اوصاف

نکات الشعرا کو غور سے پڑھنے کے بعد پورا یقین ہوجاتا ہی کہ میر صاحب نہایت پاک مشرب۔ مودب و مہذب زندہ دل۔

یار باش۔ انصاف پسند اور منکسر المزاج اِنسان تھے۔ دوستی کے مراتب اُن کے دستور العمل میں بہت وضاحت اور صفائی سے درج تھے۔ ہر موقع پر اس کی تصریح لازم ہی۔ بے تحقیق کسی بات کا لکھنا پسند نہیں کرتے تھے۔ بیان ہاے ذیل پر غور کریں صفاتِ بالا عیاں ہونگے:

پاک مشربی۔ خواجہ میر ناصر صاحب "عندلیب" کو اِن الفاظ سے یاد کیا ہی "حضرت خواجہ ناصر صاحب سلم اللہ تعالی کہ مقتداے عالم ست" خواجہ میر درد صاحب کی نسبت اِن سے بھی زیادہ پاک الفاظ استعمال کیے ہیں۔ نمونہ ملاحظہ ہو "ایامے کہ فقیر بخدمت آں بزرگوار شرف اندوز مے شد از زبان مبارکش فرمود" میر تقی میر۔ تو میر مجلس خواہی شد" الحمد للہ والمنتہ کہ حرف آں سر سلسلۂ خدا پرستاں موثر اُفتاد۔ باطن آں حضرت قبلۂ اہلِ عرفاں کہ از ظاہر طاہر ترست رو دکار کرد۔ مجلسِ ریختہ کہ بخانۂ بندہ بتاریخ پانزدہم ہر ماہ مقرر ست واللہ بذات ہمیں بزرگ ست" حضرت میرزا مظہر قدس سرہ کی نسبت لکھا ہی "مرد یست مقدس۔ مُطہر درویش۔ عالم۔ صاحبِ کمال شہرۂ عالم۔ بے نظیر۔ معزز۔ مکرم...... اکثر اوقات در یاد الٰہی صرف میکند۔ خوش تقریر بمرتبہ ایست کہ

در تحریر نگنجد" چند نمونے اور ملاحظہ کیجیے (میاں شرف الدین کے حال میں) "از احفادِ حضرت شیخ فرید شکر گنج بود۔ نور اللہ مرقدہٗ" (شاہ مبارک آبرو کے حال میں) "نبیسہ حضرت محمد غوث گوالیاری است۔ نور اللہ مرقدہٗ" در عرسِ سید حسن رسول نما۔ صاحب قدس سرہ العزیز" حضرت امیر خسرو رحمتہ اللہ علیہ" حضرت حافظ قدس سرہ العزیز"

ادب و تہذیب۔ معاصرین کا ذکر عموماً ادب اور محبت سے کرتے ہیں ملاحظہ ہو۔ میرزا سودا" جوانیست خوش خلق و خوش خو گرمجوش۔ یار باش۔ شگفتہ روے۔۔۔۔۔۔۔ غزل و قصیدہ و مثنوی و قطعہ و مخمس و رباعی ہمہ را خوب میگوید۔ سرآمد شعرائے ہندی اوست۔ بسیار خوش گوست۔ چنانچہ ملک الشعرای ریختہ اورا شاید۔ اکثر اتفاقِ طرح غزل باہم می افتد۔ غرض از مغتنمات روزگارست" سجاد اکبر آبادی" بسیار آدمی خوبیست سخن او بپایۂ اُستادی رسیدہ۔ ہر بیت تصنیفش بر جگر نشتر زدہ" کرم اللہ خاں درد" بسیار خوش فکر و عاشق سخن۔ خالی از دردمندی نیست۔ خوب میگوید و خوب می فہمد۔۔۔۔۔۔۔۔ مرد خوش سنت۔ خدایش زندہ دارد" میر حسن" جوان اہلیست نوکر پیشہ۔ اکثر در بندہ

خانہ بہ تقریبِ مجلس تشریف می آرد۔ وضع مرد آدمیانہ دارد" شاگردوں کو اس طرح یاد کیا ہی۔ "میر عبدالرسول نثار" از یارانِ فقیر مولف ست چنانچہ شعر بمشورتِ من میگوید۔ سید نجیب۔ جوان سعادتمند" محمد محسن (میر صاحب کے بھتیجے بھی ہیں)" مصرعہ ریختہ بمشورتِ من موزوں میکند خوب خواہد گفت۔ انشاء اللہ تعالیٰ" کسی جگہ شاگرد کو شاگرد نہیں لکھا بلکہ ہر جگہ دوست ہی لکھا ہی۔ بعض ایسے شعرا کا بھی ذکر ہی جو پہلے ان کے شاگرد تھے پھر دوسرے اُستادوں کے حلقۂ تلمذ میں شامل ہوگئے۔ ظاہر ہی کہ یہ برہمی کی ایک خاص صورت ہی۔ مگر میر صاحب اس پر بھی بد دماغ نہیں ہوتے نہ شکوہ کرتے ہیں۔ دیکھو بندرابن راقم کا ذکر۔ فرماتے ہیں "از شاہجہان آباد ست۔ مشقِ سخن از میرزا رفیع میکند۔ قبل ازیں بافقیر نیز مشورت شعر میکرد" اس کے بعد راقم کے بہت سے اشعار انتخاب کیے ہیں۔

تحقیق۔ نکات الشعرا اگرچہ ایک شعرا کا تذکرہ ہی کوئی تاریخی کتاب نہیں ہی۔ تاہم میر صاحب نے یہ التزام کیا ہی کہ جو واقعہ تحقیق نہ ہو اُس کو نہ لکھیں یا (اگر کسی وجہ سے لکھیں تو) اس کا غیر محقق ہونا ظاہر کر دیں۔ جن شعرا کا حال معلوم نہ تھا وہاں صاف

لکھ دیا ہی کہ اُن کا حال معلوم نہیں۔ ولی دکنی کی بابتہ لکھا ہی "و احوالش کماینبغی معلوم من نیست" درد مند کے حال میں لکھتے ہیں "ہرچند کہ یک ملاقات با او کردہ ام لیکن خوب از احوالش مطلع نیستم" میرزا بیدل عظیم آبادی کے ذکر میں لکھا ہی "ریختہ بنام او شنیدہ می شود شاید تبقریبے گفتہ باشد" اسی طرح میرزا معز فطرت کے اردو شعر کی نسبت لکھتے ہیں "ہیچ مسموع ست کہ این شعر ریختہ شاعر مرقوم گشتہ و اللّٰہ اعلم" اسی کے ساتھ امیر خسرو کے کلام ریختہ کی بابتہ فرماتے ہیں "اشعار ریختہ۔ آں بزرگ بسیار دارد۔ دریں خود تردد ے نیست" اس سے صاف ظاہر ہی کہ میر صاحب کے زمانے تک امیر خسرو کا کلام ریختہ بہت ملتا تھا۔ افسوس ہی کہ اس زمانہ میں باوجود تلاش نواب حاجی اسحق خانصاحب مرحوم اُس کے حاصل کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔

انکسار مزاج۔ تمام تذکرہ میں ایک لفظ بھی میر صاحب کے قلم سے ایسا نہیں نکلا جس سے اُن کی خود بینی و خود پسندی یا بددماغی اور تعلی عیاں ہو۔ برخلاف اس کے اپنا ذکر ہر جگہ منکسرانہ لہجے میں کیا ہی۔ اپنے آپ کو "بندہ۔ فقیر۔ احقر۔ عاجز ترینِ خلایق۔ ہیچمدان" کے الفاظ سے یاد کرتے ہیں۔ اپنا ذکر جہاں لکھا ہی۔ یوں لکھا ہی "فقیر حقیر

میر محمد تقی میر مؤلفِ ایں نسخہ متوطن اکبر آباد ست" اپنے تذکرہ کو مزخرفات کے لفظ سے یاد کرتے ہیں۔ چنانچہ بسمل کے حال میں لکھتے ہیں "پیشتر از نوشتنِ این مزخرفات آوازہ او شنیدہ بودم" دوسروں کا ذکر جس تہذیب و ادب سے کیا ہے اُس کو آپ دیکھ چکے۔ اس انکسار اور ادب کی کیفیت دیکھ کر ایک خاص اثر دل پر میر صاحب کے اوصاف کا پڑتا ہے۔

میر صاحب کے اعتراض کا انداز بھی دیکھ لو۔ شیخ حاتم کا ایک مصرع ہے۔ ؎ یاد کر کر سبز رویاں کو وہ اب پیتا ہے بھنگ۔ میر صاحب اس کی نسبت لکھتے ہیں "در لفظ سبز رویاں تامل کردن ضرورست زیرا کہ آشنائے گوش ایں ہیچمدان نیست"

بے لاگ رائیں اور انصاف۔ باوجود اس تہذیب اور انکسار کے جہاں بلحاظ وقائع نگاری ردّ و قدح ضروری تھی وہاں بے لاگ رائے ظاہر کی ہے۔ لیکن اسی کے ساتھ انصاف کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔ دونو کے نمونے ملاحظہ فرمائیے۔

خاکسار کے حال میں لکھا ہے "شعر ریختہ میگوید۔ و خود را دور میکند و بسیار سفلگی میکند بلکہ از تنک آبی بناے ریختہ را بآب رسانیدہ" ثاقب کی نسبت "درہمہ چیز دست دارد و ہیچ نمی دارند" شیخ حاتم

کی نسبت "مردیست جاہل۔ و متمکن و منقطع وضع و بیر آشنا۔ غنا ندارد
دریافتہ نمی شود کہ ایں رگِ کہن بسببِ شاعریست کہ ہیچو من
دیگرے نیست با وضع او ہمیں ست خوب ست مارا باینہا چہ کار۔ شعر
بسیار دارد" انعام اللہ یقیں کے متعلق "القصہ پرو پوچ چندے
کہ یافتہ است کہ ماد شما نیز توانیم بافت ایں قدر بر خود چیدہ است
کہ رعونتِ فرعون پیش او پشتِ دست بر زمین میگذارد۔ بعدِ ملاقات
ایں قدر خود معلوم شد کہ ذائقہ شعر فہمی مطلق ندارد" اب انصاف
ملاحظہ ہو۔ انھیں یقیں کی بابت لکھتے ہیں کہ "در بزرگ زادگی و شرافت
میاں یقیں سخنے نیست" میر عبدالحی تاباں۔ کی نسبت "ہرچند عرصہ سخن
او ہمیں در لفظہائے گل و بلبل تمام ست۔ اما بسیار رنگیں میگفت" میر
علی نقی کی بابت "در ایام گزشتہ دو سہ ماہ خانۂ خود مجلس ریختہ مقرر کردہ
بود آخر از وضع او باشانہ او برہم خورد۔ در بزرگ زادگی او شبہ
نیست۔ با فقیر رابطۂ دلی دارد" مذکورۂ بالا رایوں پر غور کرو۔
عیب و صواب بلاکم و کاست لکھے ہیں۔ عیب پر اعتراض
تھے تو خوبی کا اعتراف دلی دوستی نے لاگ رلے ظاہر کرنے
سے مانع نہیں۔ او باشانہ وضع۔ بزرگ زادگی۔ ربطِ دلی ہر ایک
اپنی اپنی جگہ پر قایم ہے۔

کمال انصاف- میر سجّاد کے ساتھ تعلقاتِ ذاتی تو یہ تھے کہ گو پہلے ملاقات تھی- مگر پھر نوبت یہ پہونچی کہ طرفین کی کشش سے ایک گونہ ربط رہ گیا- صاف یوں سمجھو کہ بگاڑ ہو گیا وضعداری رہگئی- باوجود اس کے دیکھو میر تقی کے پایہ کا شاعر- سجاد کے ایک شعر پہ بیخود ہے- ان ہی سجّاد کے ایک شعر کی داد میر صاحب کے قلم سے اس جوشِ قدر دانی کے ساتھ نکلی ہے- شعر یہ ہے ؎

عشق کی ناؤ پار کیا ہووے

جو یہ کشتی تری تو بس ڈوبی

داد ملاحظہ ہو" ہمہ شعر سبحان اللہ لیکن فقیر را از دیدنِ ایں شعر تواجد دست می دہد- از بسکہ از خواندنِ ایں شعر خطّے بر میدارم میخواہم کہ بصد جا بنویسم" میزانِ عدل کے دونو پلوں کو یوں مساوی رکھنا جناب میر صاحب ہی کا حصہ ہے ؏ آفریں بر دست و بر بازوے تو-

یہ "بے تہذیبی" کا زمانہ تھا- آج "تہذیب" کے زمانہ میں رائے کا جو عالم ہے اُس پر بھی ایک نگاہ ڈالکر مقابلہ کر لیجیے شاید نتیجہ مفید نکلے-

دوستی کے مراتب- ہم میر صاحب ہی کے الفاظ- ایک

ترتیب کے ساتھ لکھے دیتے ہیں۔ دوستی کے مراتب اور اُن کا لحاظ خود بخود عیاں ہو جائے گا اور آپ کہہ اُٹھنگے عیاں را چہ بیاں (دردمند) "ہرچند کہ یک ملاقات با او کردہ ام" (ناجی) "با اویک دو ملاقات کردہ ام" (شاغل) "پیش بندہ ہم دو سہ مرتبہ آمدہ" (پیام) "بندہ اکثر ملاقات کردم" (شیخ محمد قایم) "با من ہم آشنائے بیگانہ است" (یقین) "با بندہ ہم آشنائی سرسری دارد" (میر علی نقی) "با فقیر ربطے دلی دارد" (ٹیک چند۔ بہار) "با فقیر ہم آشناست" (کلیم) "یک اخلاص تہ دلی دارم داکثر بحال ایں ہیچمدان شفقت میفرماید" (میر عبدالحی تاباں) "با فقیر یک صفائے درست داشت از چندے بسبب کم اختلاطی ایں ہیچمدان کدورتے بمیاں آمدہ بود اجلش مہلت نداد کہ تلافیش کردہ آید" (میاں سعادت علی) "با بندہ ربط بسیار داشت" (میاں حسن علی) "بندہ را بخدمت او ربط کُلّیست اکثر اتفاق ملاقات می افتد" (غریب) "یا دش بخیر یک آشنائے با مزہ داشتم بسیار خوش ظاہر بود" (سلام) "فقیر را با او از تہِ دل اخلاص ست چنانچہ اکثر اوقات باہم فکر شعر کردن، گپ زدن، مزاح نمودن می افتد جوانے خوب ست۔ خدا زندہ دارد"

سلام سے یہ اخلاصِ دلی کیوں تھا؟ اس لیے کہ سلام کے اوصاف یہ تھے "چوں یار باشے و مخاطب صحیح حقیقت جمعیت لیاقت شخصیت آدمیت حرمت عظمت ہمہ دارد" دیکھو اس مرتبہ کو صرف یہی ایک خوش قسمت فرد پہنچ سکا وہ بھی مجموعۂ صفات نیکو۔ ذرا آج کل کے "میرے دوست" اور "دلی دوست" اور "پرانے دوست" کے الفاظ و معانی پر بھی غور کر لیجیے۔

اِصلاحیں۔ میر صاحب نے جا بجا شعرا کے کلام کی نسبت لکھا ہی کہ اس شعر میں بجائے فلاں لفظ کے یہ لفظ ہوتا تو خوب ہوتا۔ اِن اصلاحوں سے میر صاحب کے مذاقِ صحیح اور مرتبۂ استادی کا پتا لگتا ہی۔ میر سجاد کا ایک شعر ہی ؎

کافر بتوں سے داد نہ چاہو کہ یاں کوئی
مَرجا ستم سے اُن کے تو کہتے ہیں حق ہوا

میر صاحب نے لکھا ہی کہ کافر کی جگہ باطل ہوتا تو اچھا تھا۔ حق و باطل کے مقابلہ نے شعر میں جان ڈال دی۔ ٹیک چند بہار کا ایک شعر ہی ؎ "تھی زلیخا مبتلا یوسف کی اور لیلیٰ کا قیس ÷ یہ عجب منظر ہی جس کے مبتلا ہیں مرد و زن" میر صاحب فرماتے ہیں اگر دوسرا مصرع یوں ہوتا تو خوب ہوتا ع "حسن کیا منظر ہی جس کے مبتلا ہیں مرد و زن"

ذوقِ سلیم محسوس کرے گا کہ اب مصرع کس قدر زور دار اور چُست ہوگیا۔ آبرو ؎

نہیں تارے بھرے ہیں شک کے نقط
اس قدر نسخۂ فلک ہی غلط

میر صاحب نے دوسرا مصرع یوں بدلدیا ہے ؎ "کس قدر نسخۂ فلک ہی غلط"۔ سبحان اللہ۔ ایک مَدّ نے مصرع کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔ میر صاحب کے الفاظ یہ ہیں "اگر بجاے "اس قدر" "کس قدر" میگفت شعر بہ آسمان میرسید" میر سجاد ؎

کس طرح کوہکن پہ گزریں گی
ہجر کی یہ پہاڑ سی راتیں

میر صاحب کی اصلاح ؎

ہجر شیریں میں کیونکہ کاٹے گا
کوہکن یہ پہاڑ سی راتیں

اسی طرح بلیغ و اُستادانہ اصلاحوں کی طرف جا بجا اشارے کیے ہیں۔ اسی سلسلہ میں ایک اصلاح خانِ آرزو کی بھی سُن لو۔ میاں شرف الدین مضمون کا شعر تھا ؎

مضمونؔ تو شکر کر کہ ترا نام سُن رقیب غصّہ سے بھوت ہوگیا لیکن جلا تو ہے

خانِ آرزو نے "نام" کی جگہ "اسم" بنا دیا۔ میر صاحب فرماتے ہیں۔ "وہ چہ اصلاح۔ زیرا کہ اہلِ دعوت "اسم" میخوانند نہ "نام"۔"

اتفاقی اصلاح ۔مضمون کے حال میں لکھتے ہیں "میں اُن کے اشعار انتخاب کررہا تھا۔ کلیم میرے پاس بیٹھے تھے میں نے مضمون کا یہ شعر ؎ میرے پیغام کو تو ای قاصد ﷺ کہو سب سے اُسے جدا کرکے اس طرح پڑھا ؎ میرا پیغام وصل ای قاصد ﷺ کہو سب سے اُسے جدا کرکے۔ دیکھو شانِ اُستادی شعر غلط پڑھا تو بہتر ہو گیا۔ میرے خیال میں دوسرا مصرعہ بجائے کہو کے کہنا یا کہیو مانگ رہا ہے۔

طرزِ تحریر۔ میر صاحب فارسی با محاورہ لکھتے ہیں اکثر جگہ پُر لطف الفاظ قلم سے نکل جاتے ہیں۔ مثلاً خانِ آرزو کی نسبت لکھا ہے۔ "چراغِ دودمانِ صفائے گفتگو کہ چراغش روشن باد سراج الدین علی خان آرزو۔ خاکسار شاعر کے حال میں "بلکہ از تنک آبی بنائے ریختہ بآب رسانیدہ" خاکسار کے لیے "تنک آبی اور "بآب رسانیدہ" کس قدر موزوں ہے۔ رُسوا ایک شاعر تھا جو اکثر عریاں رہتا تھا اسی حال میں مرگیا۔ میر صاحب لکھتے ہیں "آخر در ہماں عریانی جامہ گزاشت" جامہ گزاشتن محاورہ ہے مرنے کے معنی میں۔

ٹیکچند بہار کے ذکر میں لکھا ہی" از لفظ لفظش ہزار ہزار رنگِ معنیِ گل میکند" اربابِ ذوق اس موقع پر "گل میکند" کے محاورے کی داد دیں گے۔ بیان مبالغہ اور بیجا لفاظی سے پاک ہی۔ جابجا اوستادانہ اشارے کرتے جاتے ہیں۔ فائدے لکھتے جاتے ہیں۔

دیباچہ میں ریختہ کی تعریف کی ہی" ریختہ کہ شعریست بطورِ شعر فارسی بزبانِ اُردوے معلاے شاہجہان آباد دہلی" خاتمہ میں ریختہ کی حسبِ ذیل چھ قسمیں لکھی ہیں۔ اوّل قسم۔ ایک مصرع فارسی اور ایک ہندی۔ دوسری قسم۔ آدھا مصرع فارسی آدھا ہندی۔ تیسری قسم فارسی کے حرف اور فعل استعمال کیے جائیں۔ یہ قبیح ہی چوتھی قسم فارسی ترکیبیں استعمال کی جائیں۔ ریختہ کے مناسبِ حال ترکیبیں مستعمل ہوں تو مضائقہ نہیں مگر اس لیے سلیقۂ شاعرانہ درکار ہی۔ یہ میرا مسلک ہی پانچویں قسم ایہام شعراے سلف میں رائج تھا اب متروک ہی چھٹی قسم وہ طرز ہی جو ہم (اہل عصر) نے اختیار کی ہی۔ اس میں جملہ صفتیں ہیں۔ تجنیس۔ ترصیع۔ تشبیہہ۔ صفاے گفتگو۔ فصاحت و بلاغت۔ ادا بندی و خیال وغیرہ سب اس کے ضمن میں آجاتی ہیں۔ میری بھی یہی طرز ہی۔ اس فن میں جو صاحبانِ طرزِ خاص ہیں وہ اِس نکتہ کو سمجھتے ہیں۔ یہ فائدہ اپنے دوستوں

کے لیے میں نے لکھدیا ہو ورنہ میدانِ سخن بہت وسیع ہی۔ ہر گلے را رنگ و بوے دیگرست۔

اکبرآباد اور اُردو۔ دہلی و لکھنؤ کی ہنگامہ آرائیوں میں اگرچہ آگرہ گرد در گُو ہو مگر اُس کی بے زبانی صاف کہہ رہی ہو کہ تیسرے دَور تک جو بلاکشانِ محبّت بزمِ سخن میں آئے اُن میں سے اکثر کے دماغ اُسی کے بادۂ کہن سے پُر کیف تھے۔ شاہ مبارک آبرو شیخ شرف الدین مضمون۔ سراج الدین علی خان آرزو۔ حضرت میرزا مظہر قدس سرہٗ۔ میر تقی میر۔ کی ذات پر اول اکبرآباد کو ناز ہو اُس کے بعد دلّی یا لکھنؤ کو۔ جب میرزا غالب بھی بزم آرا ہوجائیں تو پھر آنکھ ملانا آسان نہیں رہتا۔ نکات الشعرا میں حسب ذیل اکبرآبادی شعرا کا ذکر ہو۔ خانِ آرزو۔ میر صاحب ان کی نسبت لکھتے ہیں "ہمہ اوستادانِ مضبوط فن ریختہ ہم شاگردانِ آں بزرگوارند" اب اکبرآباد کی اُستادی سے کس کو انکار ہوگا۔ میر تقی میر۔ آبرو۔ مضمون۔ پیام سجاد۔ ثاقب۔ شوق۔ انسان۔ عارف۔ بہار۔ نثار۔ محسن۔ میر صاحب کی شہادت ہو کہ یہ سب کے سب عمدہ شاعر تھے۔ سجاد کی نسبت لکھا ہو "سخن او بپایۂ اُستادی رسیدہ"

اُس عہد کی معاشرت۔ یہ تذکرہ احمدشاہ بادشاہ کے عہد کی

تالیف ہی جبکہ سلطنتِ مغلیہ کا چراغ گُل ہو رہا تھا۔ خانہ جنگیوں اور لوٹ مار کے ہنگامے برپا تھے۔ بدامنی کا دور دورہ تھا۔ دائرہ معاش بہت کچھ تنگ ہو چکا تھا۔ اس پر بھی اُس زمانہ کی معاشرت کی مضبوطی کو دیکھو۔ تمام خطرات اور مصائب سے بالاتر ہوکر اپنی وضع اور صفت پر قایم تھی۔ میر صاحب کے بیان کو غور سے پڑھو۔ تو صاف عیاں ہو جاتا ہی کہ اُس عہد کے شرفا کی خصوصیات یہ تھیں۔ خوبیِ اخلاق زندہ دلی۔ محبت اور محبت کا نباہ۔ علم و فن کا ذوق۔ اور اُس کی خدمت۔ سپہ گری اور خودداری و وضعداری۔ نکات الشعرا میں جن لوگوں کا تذکرہ ہی اُن کے ذکر میں ان اوصاف کے عدم اور وجود پر خصوصیت کے ساتھ نگاہ رکھتے ہیں۔ اس سے ظاہر ہی کہ اس زمانے میں ان ہی صفتوں پر نگاہیں پڑتی تھیں۔

فن ادب کی خدمت میں بزرگانِ دین۔ شعرا۔ اُمرا۔ طبقۂ اوسط۔ اہلِ قلم اور اہل سَیف سب کے سب یکساں توجہ اور انہماک کے ساتھ مصروف تھے۔ جامعیت کو دیکھو۔ حضرت خواجہ میر دَرد اور حضرت میرزا مظہر قدس سرہما کمالِ درویشی و معرفت۔ علم۔ فارسی شاعری۔ اُردو شاعری۔ تربیتِ فن ادب۔ سپہ گری اخلاق و محبّت سب ہی اوصاف کے جامع تھے اور بہ صورتیں اُس دَور میں مُستثنیٰ

صورتیں نہ تھیں۔ نکات الشعرا میں مذکورہ بالا طبقات میں سے ہر طبقہ کے اصحاب و اشخاص مذکور ہیں۔ جابجا درسگاہیں۔ اور ادبی مجالس قایم تھیں جہاں کمال کے جوہر چمکتے تھے اور اہلِ کمال پیدا ہوتے تھے۔ سیر اور تماشوں کے موقعوں۔ اور مذہبی جلسوں میں اہلِ کمال جمع ہوتے تھے۔ اور اُن کے دم سے علم و ادب کے چرچے رہتے تھے۔ چنانچہ قزلباش خاں اُمید کے حال میں میر صاحب لکھتے ہیں طبقۂ امرا میں داخل تھے۔ ہر سیر و تماشہ میں جاتے اور مجلس آراستہ کرتے۔ چنانچہ ایک روز دِلی دوستوں کی تحریک سے میں بھی سید حسن رسول نما صاحب قدس سرہٗ العزیز کے عُرس میں گیا تھا وہاں "امید" بھی تشریف رکھتے تھے۔ مجکو دُور سے دیکھ کر کہا "خوش باشید میں نے بھی اس زمانہ ریختہ کے دو شعر موزوں کیے ہیں سُنو ؎

درو دیوار سے اب صحبت ہے ؛ یار بن گھر میں عجب صحبت ہے

تیری آنکھوں کو دیکھ ڈرتا ہوں ؛ الحفیظ الحفیظ کرتا ہوں

دیکھنا ایک ایرانی نژاد کیسے صاف اور بامزہ اشعار اُردو کے کہہ گیا۔ بہ قول میر صاحب یہ فیضِ سخن ہے"

ہم ذیل میں میر صاحب کی چند عبارتیں نقل کرتے ہیں اِن سے ہمارے بیان کی تائید ہوگی۔ (امید) نکتہ پرداز بذلہ سنج کوچک دل

عزیز دلہا۔ یار باش۔ خوش اختلاط۔ خنداں و شگفتہ (مضمون) حریف ظریف۔ ہشاش بشاش۔ ہنگامہ گرم کُنِ مجلسہا" (یکرنگ) میگویند کہ بسیار چسپاں اختلاط و آشنائے درست بود (سعادت) با بندہ ربطِ بسیار داشت۔ (کلیم) مردے سپاہی پیشہ (حشمت) یعنی میر محتشم علی خاں "سپاہی عمدۂ روزگار شاعر خوب فارسی و ریختہ..... باہمہ بعجز و انکسار پیش می آید" (عاصی) "در شمشیر شناسی دستے تمامی دارد....... در علم تاریخ مہارتے خوب پیدا کردہ۔ از مغتنماتِ روزگار ست۔ اگرچہ روزگار با او مساعدت نمی کند" (شوق) "سپاہی پیشہ" (میرحسن) "وضع مرد آدمیانہ دارد" (غریب) "بادش بخیر یک آشنائے بامزہ داشتم۔ بسیار خوش ظاہر بود۔ بسبب پریشانی روزگار دو سال ست کہ بسمتِ بنگالہ رفت" (بیتاب) بسیار مربوط مضبوط الاحوال" (میر۔ یہ دوسرے ہیں۔ غالبًا میر سوز) "جوانیست بسیار اہل خوش طبع" (حاتم) "مردیست جاہل و متمکن...... دیر آشنا۔ غنا ندارد" (پاکباز) "بسیار کم اختلاط گویا آشنا شدن نداند" (خاکسار) خود را دور میکشد و بسیار سفلگی میکند"

اگر "جدید تہذیب" بد دماغ نہ ہو تو میں پوچھوں کہ آج کل بھی ان اوصاف کا "سوسائٹی" میں پتا ہے۔ رہے نام اللہ کا۔

آبحیات اور نکات الشعرا

آپ نکات الشعرا کے خط و خال دیکھ چکے۔ میر صاحب کے اوصاف بھی ظاہر ہو چکے۔ اب نکات الشعرا کا جو چہرہ آبحیات میں نظر آتا ہے اُس کو ملاحظہ کیجیے۔ شمس العلما میر محمد حسین آزاد آبحیات میں لکھتے ہیں "نکات الشعرا شایقِ شعر کے لیے بہت مفید ہے۔ اس میں سوائے اُردو کے بہت سی باتیں اس زمانہ کے لوگوں کے دیکھنے کے قابل ہیں۔ مگر وہاں بھی اپنا انداز قایم ہے۔ **دیباچہ** میں فرماتے ہیں کہ یہ اُردو کا پہلا تذکرہ ہے۔ اس میں ایک ہزار شاعر کا حال لکھوں گا مگر اُن کو نہ لونگا جن کے کلام سے دماغ پریشان ہو۔ ان ہزار میں ایک بیچارہ بھی طعنوں اور ملامتوں سے نہیں بچا۔ **ولی** کہ بنی نوعِ شعرا کا آدم ہے اُس کے حق میں فرماتے ہیں" وے شاعریست از شیطان مشہور تر" (دیکھو آبحیات صفحہ ۱۹۵ مطبوعۂ مفید عام پریس ۱۸۹۹ء) ایک جگہ لکھتے ہیں" اور خانِ آرزو کے پاس اُنھوں نے اور اُن کی شاعری نے پرورش پائی مگر" خانصاحب" حنفی مذہب تھے اور میرصاحب شیعہ۔ اس پر نازک مزاجی غضب۔ غرض کسی مسئلہ پر بگڑ کر الگ ہو گئے" (دیکھو صفحہ ۱۸۸) پھر ایک جگہ لکھا ہے" ساتھ اُسکے

میر صاحب کی بلند نظری اس غضب کی تھی کہ دنیا کی کوئی بڑائی اور کسی شخص کا کمال یا بزرگی اُنھیں بڑی نہ دکھائی دیتی تھی۔ اس قباحت نے نازک مزاج بناکر ہمیشہ دنیا کی راحت اور فارغ البالی سے محروم رکھا۔" میر سوز کے حال میں لکھا ہے "سوز مرحوم پہلے میر تخلص کرتے تھے۔ جب میر تقی۔ مرحوم۔ میر کے تخلص سے عالمگیر ہوئے تو سوز اختیار کیا۔" ایک دوسرے مقام پر لکھا ہے کہ "سوز نے ایک مشاعرے میں کہا تھا "فقیر نے تخلص تو میر کیا تھا مگر وہ میر تقی صاحب نے پسند فرمایا فقیر نے خیال کیا کہ اُن کے کمال کے سامنے میرا نام نہ روشن ہو سکے گا۔ ناچار سوز اختیار کیا۔" میر تقی صاحب چپ بیٹھے سُنا کیے۔" جا بجا آبحیات میں یہ بھی ذکر ہے کہ میر صاحب شاعری اور زبان اُردو صرف دِلّی والوں کا حق سمجھتے تھے۔ چنانچہ اسی وجہ سے میر قمرالدین مِنّت کو شاگرد نہیں کیا۔ لکھنؤ کے شائقینِ سخن اُن کا کلام سُننے آئے تو نہیں سُنایا۔" (دیکھو صفحات ۲۰۰ و ۲۰۲)

ایک اور جگہ لکھا ہے "افسوس یہ ہے کہ اوروں کے کمال بھی اُنھیں دکھائی نہ دیتے تھے۔ اور یہ "میر" سے شخص کے دامن پر نہایت بدنما دھبا ہے۔ جو کمال کے ساتھ صلاحیت اور نیکوکاری کا خلعت پہنے ہو۔۔۔۔۔ خواجہ حافظ شیرازی اور شیخ سعدی کی غزل پڑھی جاے

تو وہ سر ہلانا گناہ سمجھتے تھے۔ کسی اور کی کیا حقیقت ہی" یہ اور اِسی قِسم کے بہت سے بیان میں آبحیات میں دیکھتا ہوں تو غرقِ حیرت ہو جاتا ہوں۔ اور سمجھ میں نہیں آتا کہ ماجرا کیا ہی۔ سارے مضمون نِکات الشعرا کے بالکل خلاف اور ضد ہیں۔ نکات الشعرا کے **دیباچہ** میں یہ نہیں ہی کہ اس میں ایک ہزار شاعروں کا ذکر لکھونگا۔ یہ بھی نہیں ہی کہ اُن کا ذِکر نہیں لکھونگا جن سے دماغ پریشان ہو۔ میر صاحب متعصب یا تنگ نظر نہ تھے۔ بزرگانِ دین کا ذکر جس ادب سے کیا ہی اُس سے اُنکی وسعت مشرب اور پاک دِلی صاف ظاہر ہی۔ پھر اُستاد سے کیوں لڑتے اور کیوں بگڑتے۔ میر صاحب خانِ آرزو کو اپنا اُستاد بلکہ پیرو مرشد بتاتے ہیں۔ **آزاد** کہتے ہیں "بگڑ کر الگ ہوگئے" میر صاحب نے نکات الشعرا میں اپنے سامنے کے لڑکوں کے کلام کی خوبی بھی تسلیم کی ہی۔ میر سجاد اُن کے سامنے طالبِ علم تھے تاہم اُن کی نسبت فرماتے ہیں "سخن او بپایۂ اُستادی رسیدہ" اُن کے ایک شعر پر سر دُھنتے ہیں۔ وجد کرتے ہیں۔ سو جگہ لکھنے کی تمنا کرتے ہیں **آزاد** کا بیان مانا جائے تو وہ سعدی و حافظ کی غزل پر سر ہلانا گناہ سمجھتے تھے۔ **مضمون** قصبۂ چاچپو ضلع آگرہ کے رہنے والے تھے اُن کی شاعری کا ذکر

میر صاحب نے بہت خوبی سے کیا ہو۔ چاچھو کا باشندہ شاعر ہو سکتا تھا تو سون پت نے کیا گناہ کیا تھا۔ **ولی** کی نسبت میر صاحب نے یہ ریمارک کیا ہو" از کمالِ شہرت احتیاجِ تعریف ندارد" شیطان والا فقرہ سارے تذکرے میں کہیں نہیں۔ مثل مشہور ہو" ولی کے گھر میں شیطان" شاید اسی طرح یہ فقرہ **آزاد** کے ذہن میں پیدا ہوا ہو۔ میر سوز کے تخلص کی نسبت میر صاحب نکات الشعرا میں لکھتے ہیں" محمد میر۔ میر تخلص جوانے ست۔ بسیار اہلِ خوش طبع۔ حیثیت طرزِ علیحدہ دارد لیکن از خوش کردن تخلص من نصف دلم از وخوش" اس سے معلوم ہوتا ہو کہ میر صاحب نے تخلص پسند نہیں کیا بلکہ میر سوز نے پسند کیا۔ **آزاد** نے لکھا ہو کہ " ایک ہزار شعرا میں سے کوئی بیچارہ میر صاحب کے طعنوں اور ملامتوں سے نہیں بچا" حالانکہ میر صاحب نے قریباً سب کو خوبی سے یاد کیا ہو۔ بعض کی نسبت جہاں وقائع نگاری کے فرض نے مجبور کیا البتہ خلاف راے لکھی ہو مگر وہ بھی طعن اور ملامت کے پیرایہ میں نہیں۔ **آزاد** نے ہر جگہ میرزا مظہر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا نام " جان جاناں " لکھا ہو۔ حالانکہ میر صاحب نے " جان جاں " لکھا ہو۔ جو صحیح ہو۔ ایک شخص نے " جان جاناں " شعر میں باندھا تو میر صاحب نے ٹوکا کہ ایسا خواص کو

نہیں چاہیے۔ صحیح نام لکھنا چاہیے۔ عوام کا ذکر نہیں **آزاد** نے نکات الشعرا کی نسبت لکھا ہے " اب بہت کم یاب ہے " (دیکھو صفحہ ۱۹۲)

میری بد گمانی معاف ہو تو میں کہونگا کہ نکات الشعرا **آزاد کی نظر سے نہیں گزرا** قیاس کی بلند پروازی نے طوطی مینا بناکر اُڑاے ہیں اور اُنکی سحر بیانی سے سامعین کو خوش کیا ہے۔

انتخاب اشعار۔ میر صاحب نے جن اشعار کو منتخب کرکے درج تذکرہ کیا ہے دل نہیں مانتا کہ اُن کا نمونہ یہاں نہ دکھاؤں۔ اگرچہ شایقین تذکرہ میں پڑھینگے مگر قند مکرّر ہو تو لطف دوبالا ہو جاتا ہے۔

آرزو۔ رکھے سیپارۂ گُل کھول آگے عندلیبوں کے
چمن میں آج گویا پھول ہیں تیرے شہیدوں کے

وعدے تھے سب خلاف جو تجھ لب سے ہم سُنے
یہ لعل قیمتی دیکھو جھوٹا نکل گیا

مظہر۔ آتش کہو شرارہ کہو کوئلا کہو ؛ مت اس ستارہ سوختہ کو دل کہا کرو

امید۔ درو دیوار سے اب صحبت ہے ؛ یار بن گھر میں عجب صحبت ہے
تیری انکھوں کو دیکھ ڈرتا ہوں ؛ الحفیظ الحفیظ کرتا ہوں

آبرو۔ مجلسِ رنداں میں مت لیجا دلِ بے ذوق کو
شیشۂ خالی کی کیا عزّت ہے میخوارون کے بیچ

کچھ ٹھہرتی نہیں کہ کیا ہو گی ٭ اس دلِ بے قرار کی صورت
دل تو دیکھو آدمِ بیباک کا ٭ عشق سے پُتلا بھرا ہی خاک کا
کیا ہوا مرگیا اگر فرہاد٭ روح پتھر سے سر پٹکتی ہی٭ اب دین ہوا زمانہ سازی
آفاق تمام دہریا ہی٭ حُسن ہی پر خوبرویوں میں وفا کی خو نہیں٭
پھول ہیں یہ سب پر ان پھولوں میں ہرگز بو نہیں۔

یکرنگ

خلق یکرنگ کی ہوئی دشمن٭ جب سے تیرا وہ دوستدار ہوا۔
اندھیر ہی جہاں ہیں کہ اشقیوں کے ہاتھ٭ ہی سر بریدہ شمعِ شبستانِ کربلا
نہ کہو یہ کہ یار جاتا ہی میرا صبر و قرار جاتا ہی۔
گر خبر لینی ہی تو لے صیاد ہاتھ سے پھر شکار جاتا ہی

سعادت

ہوش کھو دیتی ہیں میرا اس کی آنکھیں مے پرست
بسکہ ہوں کم ظرف دو پیالوں میں ہوجاتا ہوں مست
واللہ جو سرِ لوح ترا نام نہ ہوتا ٭ ہرگز کسی آغاز کا انجام نہ ہوتا
یار سے جو رقیب لڑتے ہیں ٭ یہ ہمارے نصیب لڑتے ہیں
پپیہے کی طرح دار و کے شیشے ٭ زبان حال سے کہتے ہیں پی پی

سودا

بیکس کوئی مرے تو جلے اس پہ دل مرا٭ گویا ہی یہ چراغ غریبوں کی گور کا
زباں ہی شکر میں قاصر شکستہ بالی کے٭ کہ جن نے دل سے مٹایا خلش رہائی کا
سودا قمارِ عشق میں شیریں سے کوہکن٭ بازی اگرچہ پا نہ سکا سر تو کھو سکا۔

سودا ہوے جب عاشق کیا پاس آبرو کا ٭ سنتا ہے اے دیوانے جب دل دیا تو پھر کیا

پھرے ہے شیخ یہ کہتا کہ میں دنیا سے منہ موڑا ٭ الٰہی ان نے اب داڑھی سوا کس چیز کو چھوڑا

یا تبسم یا نگہ یا وعدہ یا گاہے پیام ٭ کچھ بھی اے خانہ خراب ان نے لکھا تھا بیٹھے

رنگِ گل بے طرح دہکے ہے سن اے ابرِ بہار ٭ آشیاں میرا چھڑک لگتی ہے اب گلشن کو آگ

قاتل کے دل سے آہ نہ نکلی ہوس تمام ٭ ذرہ بھی ہم تڑپنے نہ پاے کہ بس تمام

کس کی ہیں یہ چمن میں صبا بدشرابیاں ٭ ٹوٹی پڑی ہیں غنچوں کی ساری گلابیاں

نہ پوج سنگ و گل اے شیخ اِس صدا کو مان ٭ مرے صنم کی پرستش کر آ خدا کو مان

عاشق کی بھی کٹتی ہیں کیا خوب طرح راتیں ٭ دو چار گھڑی رونا دو چار گھڑی باتیں

اس دردِ دل سے موت ہو یا دل کو تاب ہو ٭ قسمت میں جو لکھا ہے الٰہی شتاب ہو

اِس کشمکش سے دام کے کیا کام تھا مجھے ٭ اے الفتِ چمن ترا خانہ خراب ہو

کہتا تھا بناگوش تری زلف کے آگے ٭ میں صبحِ قیامت ہوں مری شام یہی ہے

نہ ضرر کفر کو نے دین کا نقصان مجھ سے ٭ باعثِ دشمنی اے گبر و مسلمان مجھ سے

مرجان کا نخل ہوں نہ پھلوں برگ و بار سے ٭ نکلے ہمیشہ خون مری شاخسار سے

خنجر طلب ہے مرگ سے ہر آہوے حرم ٭ دل بجھ گیا ہے کس کی مژہ کا شکار سے

کلیم

آتی ہے دل پہ قلقلِ مینا سے اب شکست ٭ وہ دن گئے کلیم کہ یہ شیشہ سنگ تھا

درازیِ شبِ ہجرانِ زلفِ یار کلیم ٭ نہ مجھ سے پوچھ کہ کاٹی ہے رات آنکھوں میں

پاسِ ناموسِ محبت ہے مجھے از بس کلیم ٭ باغ میں جاؤں نہ ہمراہِ رفیقانِ عزیز

جو صدا آتی ہی اس وادی سے ہی سینہ خراش ؛ یہ کوئی دل روتا جاتا ہی نہیں بانگِ جرس

تو یار مل کے ہم سے جب ایک ہوگیا ہو ؛ کسکو بعید مانیں کسکو کہیں قریں ہم

تم ہو تو ہم کہاں ہیں ہم ہیں تو تم کہاں ہو ؛ یا تم ہی سب ہو ہم ہیں یا سب کے سب ہمیں ہم

نَے اور تنبور میں یہ سوز تو معلوم اے مُطرب ؛ کسی کا دل ہوا ہی شاید اس پردہ میں آ نالاں

تری جناب میں آیا ہوں یا الٰہ نہ پوچھ ؛ یہی کہ بخش دے اور مجھ سے تو گناہ نہ پوچھ

غرورِ حسن کیا ممکن کسی کی داد کو پہونچے ؛ غرض تم سن چکے احوال ہم فریاد کو پہنچے

تو ای بارانِ رحمت اوج میں اموج سے اپنی ؛ کہ یک قطرہ میں میرے کشت کا بھی کام ہوجاوے

درد اکسیر پر ہوس اتنا نہ ناز کرنا ؛ ہی کیمیا سے بہتر دل کا گداز کرنا

جان سے ہوگئے بدن خالی ؛ جس طرف تو نے آنکھ بھر دیکھا

نالہ فریاد آہ اور زاری ؛ آپ سے ہوسکا سو کر دیکھا

دل بھی ای درد قطرۂ خوں تھا ؛ آنسوؤں میں کہیں گرا ہوگا

حرص کرواتی ہی رو یہ بازیاں سب دنیا ؛ اپنے اپنے بورے پر جو گدا تھا شیر تھا

کھینچے ہی دور آپ کو میری فروتنی ؛ افتادہ ہوں پہ سایۂ قدِ کشیدہ ہوں

ہم تجھ سے کس ہوس کی فلک جستجو کریں ؛ دل ہی نہیں رہا ہی جو کچھ آرزو کریں

مٹ جائیں ایک دم میں کثرت نمائیاں ؛ گر آئنہ کے سامنے ہم آکے ہو کریں

تردامنی پہ شیخ ہماری نہ جا ابھی ؛ دامن نچوڑ دیں تو فرشتے وضو کریں

ہی اپنی یہ صلاح کہ سب زاہدانِ شہر ؛ ای درد آکے بیعتِ دستِ سبو کریں

اُس نے کیا تھا یاد مجھے بھول کر کہیں ؛ پاتا نہیں ہوں تب سے میں اپنی خبر کہیں

فرصت زندگی بہت کم ہے ؛ مغتنم ہے یہ دید جو دم ہے

دین و دنیا میں تو ہی ظاہر ہے ؛ دونوں عالم کا ایک عالم ہے

تمنا ہے تیری اگر ہے تمنا ؛ تری آرزو ہے اگر آرزو ہے

* * * * *

روندے ہے نقش پا کی طرح خلق یاں مجھے ؛ اے عمر رفتہ چھوڑ گئی تو کہاں مجھے

اے گل تو رخت باندھ اُٹھاؤں میں آشیاں ؛ گلچیں تجھے نہ دیکھ سکے باغباں مجھے

پتھر تلے کا ہاتھ ہے غفلت کے ہاتھ دل ؛ سنگ گراں ہوئی ہے یہ خواب گراں مجھے

وحدت نے ہر طرف ترے جلوے دکھا دیئے ؛ پردے تعینات کے جو تھے اُٹھا دیئے

یارب تھی کیا خرام وہ جس نے اک آن میں ؛ کتنے ہی مُردے حشر سے آگے جلا دیئے

سیلاب اشک گرم نے اعضا مرے تمام ؛ اے درد کچھ بہا دیئے اور کچھ جلا دیئے

سجاد

شتابی پلا دے کہ جاتا ہے ابر ؛ جو کچھ باقی ساقی رہی ہو شراب

اس فصل گل میں جوش جنوں کا ہوا ہے قہر ؛ جنگل میں آ بھرا ہے نکل کر تمام شہر

اب تو ہم نے کیا گریباں چاک ؛ تیرے دامن کو کس طرح چھوڑیں

کس طرح کوہکن پہ گزر رہینگی ؛ ہجر کی یہ پہاڑ سی راتیں

میں جو اُس کی گلی میں جاتا ہوں ؛ دل کو کچھ گم ہوا سا پاتا ہوں

لب شیریں پہ اُس کے مرتا ہوں ؛ زندگی اپنی تلخ کرتا ہوں

رات اُس زلف کا وہ افسانہ قصّہ کوتہ بڑی کہانی ہی
عشق کی ناؤ پار کیا ہووے جو یہ کشتی تری تو بس ڈوبی
ماہرو بن یہ شمع محفل میں جیسی روشن ہی سب پہ روشن ہی

بیتاب

تڑپ کر مر گئی بلبل قفس میں
پڑی تھی ہائے کس ظالم کے بس میں

دل میں زاہد کے جو جنّت کی ہوا کی ہی ہوس ہا کوچۂ یار میں کیا سایۂ دیوار نہ تھا
رُو اگر دیجیے اس کو بھی تو کچھ عیب نہیں ہا آئنہ سے بھی گیا کیا دلِ حیراں میرا
ندیتا عیش کی خسرو کو فرصت قصرِ شیریں میں ہا جو میں ہوتا تو جائے شیر جوئے خوں رواں کرتا

خال گورے مکھ کا لیتا ہی مرے دلکو چرا
اس نگر میں چاندنی راتوں کو بھی پڑتے ہیں چور
اس ہوا میں رحم کر ساقی کہ بے جامِ شراب
دیکھ کر چھاتی بھری آتی ہی باراں کی طرف
مجنوں کی خوش نصیبی کرتی ہی داغ مجھکو
کیا عیش کر گیا ہی ظالم دیوانہ پن میں
دوبارہ زندگی کرنا مصیبت اسکو کہتے ہیں
پھر اُٹھنا بیدماغوں کا قیامت اسکو کہتے ہیں
زنجیر میں زلفوں کے پھنس جانے کو کیا کہیے
کیا کام کیا دل نے دیوانے کو کیا کہیے

ولی

دشمنِ دیں کا دین دشمن ہی
راہزن کا چراغ رہزن ہی
آغوش میں آنے کی کہاں تاب ہی اس کو
کرتی ہی نگہ جس قدِ نازک پہ گرانی
کہاں ہی آج یارب جلوۂ مستانۂ ساقی
کہ دل سے تاب بیتابی سے صبر رخصت ہوئی جاتا
عجب کچھ لطف رکھتا ہی شبِ خلوت میں دلبر سے
سوال آہستہ آہستہ جواب آہستہ آہستہ

عزلت بجز رفاقت تنہائی آسرا نہ رہا ؛ سوائے بیکسی اب اور آشنا نہ رہا

سراج نہیں ہے تاب مجھے سامنے ترے جاناں ؛ کہاں سراج کہاں آفتاب عالمتاب

شکر للہ ان دنوں تیرا کرم ہونے لگا ؛ شیوۂ جور و ستم فی الجملہ کم ہونے لگا

تاباں اقد حلقۂ کماں اسی حسرت میں ہو گیا ؛ تیر ہدف کبھی نہ ہماری ہوئی دعا

لگ رہی ہیں تیرے عاشق کی جو آنکھیں چھت سے ؛ تجکو دیکھا مگر اُن نے ہے لب بام کہیں

بال اپنے کھولتا ہے جب تو اے خورشید رُو ؛ چاند سے مُنہ پر ترے اس وقت آجاتا ہے ابر

ساقی ہو اور چمن ہو مینا ہو اور ہم ہوں ؛ باراں ہو اور ہوا ہو سبزا ہو اور تم ہوں

ایمان و دیں سے تاباں مطلب نہیں ہے ہمکو ؛ ساقی ہو اور مے ہو دنیا ہو اور ہم ہوں

جوں برگِ گل سے باغ میں شبنم ڈھلک پڑے ؛ کیا ہو کہ یرگِ تاک سے یوں نو ٹپک جائے

محفل کے بیچ سن کے مرے سوزِ دل کا حال ؛ بے اختیار شمع کے آنسو ڈھلک پڑے

ہاتھ بے فائدہ زنداں میں دوڑا مجنوں ؛ طوق ہے تیرے گلے میں یہ گریباں تو نہیں

ہیں گورِ غریباں پہ جاکر جو دیکھا ؛ بجز نقش پا لوحِ تربت نہیں ہے

نہ پائی خاک بھی تاباں کی ہم نے پھر ظالم ؛ وہ ایک دم ہی ترے روبرو ہوا تھا

ترے پاس عاشق کی عزت کہاں ہے ؛ تجھے بے مروت محبت کہاں ہے

تیری ابرو سے نہ چھوٹے گا مرا دل ہرگز ؛ گوشت ناخن سے بھلا کوئی جدا ہوتا ہے

قیامت مجھ پہ کل کی رات اُس کے ہجر میں لائی ؛ نہ آیا یار میرا آج بھی وہ رات پھر آئی

شوق بجھے گی آتشِ دل ہم نے جانا تھا گھٹا آئی ؛ ہوائے ابر نے دونی وے یہ آگ بھڑکائی

سرِ گل میں گر رہے ہیں مست ہو دیوار و در پڑ ابرِ رحمت برستا ہی یا برستی ہی شراب

قایم بھلا اے ابرِ مژگاں اتنو بس کر — ابھی تو کھل گیا تھا تو برس کر

بہارِ عمر قایم ہی کوئی دن — اسے جوں گل پیارے کاٹ ہنسکر

اے محنت آزمائے عاشق — تب خوش ہو کہ مر ہی جا عاشق

دانا بہر صورت خدا کو دیکھنا عنوان ہی میرا — یہی توحید میں مصرع سر دیوان ہی میرا

سلام حدیثِ زلف چشم یار سے پوچھ — درازی رات کی بیمار سے پوچھ

بیتاب تو قسم ہی تمھیں میرے صبر کی — مسلخ میں بعد ذبح تحمل نہ کیجیو

بہار نہیں واعظ ڈراتا کیوں ہی دوزخ کے عذابوں سے

معاصی گو ہمارے بیش ہوں کیا مغفرت کم ہی

تمکین حسن اور عشق کو جس روز کہ ایجاد کیا

مجکو دیوانہ کیا تجکو پری زاد کیا

محسن تعزیت دار حسرتِ دل ہی — یہ جو گریہ کا جامہ آبی ہی

دلِ پُر آبلہ مرا محسن — رشکِ آئینہ حبابی ہی

راقم ابرتر سے چشم گریاں کم نہیں — موجِ دریا ہی شکنج آستیں

مژگاں سے دل بچے تو کرے ہی ابرو — یہ کہہ کے میں نے اُس سے جب اُسکی داد چاہی

کہنے لگا کہ ترکش جس وقت ہووے خالی — تلوار پھر نہ کھینچے تو کیا کرے سپاہی

اے باغباں نہیں ترے گلشن سے کچھ غرض — مجکو قسم ہی چھیڑوں اگر برگ و بر کہیں

اتنا ہی چاہتا ہوں کہ میں اور عندلیب آپس میں دردِ دل کہیں ٹک بیٹھکر کہیں
معصیت میری بہت ہے کہ تری بخشش بیش اپنی رحمت پہ نظر کر مرے عصیاں کو نہ دیکھ
کہیے کیا دردِ دل بلبل گلوں سے اڑا دیتے ہیں اس کی بات ہنس کر
جو چاہے گوہرِ مقصود ای دل صدف کی طرح تو پاسِ نفس کر

(محمد میر) **میر** شہرۂ حسن سے ازبسکہ وہ محجوب ہوا
اپنے چہرے سے بگڑتا ہے کہ کیوں خوب ہوا

(میر محمد تقی) **میر** کس طرح سے مانیے یاراں کہ یہ عاشق نہیں
رنگ اڑا جاتا ہے ٹک چہرہ تو دیکھو میر کا

شب دردو غم سے عرصہ مرے جیو پہ تنگ تھا آیا شبِ فراق تھی یا روزِ جنگ تھا
مت کر عجب جو میر ترے غم میں مر گیا جینے کا اس مریض کے کوئی بھی ڈھنگ تھا
ہوتا نہ چار چشم دِل اس ظلم پیشہ سے ہشیار زینہار خبردار دیکھنا
ہم اسیروں کو بھلا کیا جو بہار آئی نسیم عمر گزری کہ وہ گلزار کا جانا ہی گیا
جو ای قاصد وہ پوچھے میر بھی ایدھر کو چلتا تھا
تو کہیو جب چلا ہوں میں تو اس کا دم نکلتا تھا
کچھ میں نہیں اس دل کی پریشانی کا باعث
برہم ہی مرے ہاتھ لگا تھا یہ رسالا
یک قطرۂ خوں ہو کے مژہ سے ٹپک پڑا قصہ یہ کچھ ہوا دلِ غفراں پناہ کا

مت پوچھ کس طرح سے کٹی رات ہجر کی   ہر نالہ میری جان کو تیغ کشیدہ تھا

خواجہ مجھ سے لڑ گیا اب خواہ اُس سے مِل گیا   کیا کہوں اے ہم نشیں میں تجھ سے حالِ دل گیا

مت ڈھلک مژگاں سے میرے اے سر شکِ آبدار

مفت ہی جاتی رہے گی تیری موتی کی سی آب

میرے سنگِ مزار پر فرہاد   رکھ کے تیشہ کہے ہے یا اُستاد

ہم تو اسیرِ کنج قفس ہو کے مر چلے   اے اشتیاقِ سیرِ چمن تیری کیا خبر

پاس رہنے کا نہیں ایک بھی تار آخر کار   ہاتھ سے جائے گا سر رشتہ کار آخر کار

ساقی تو ایک بار تو توبہ توڑا مری   توبہ کروں جو پھر میں تو توبہ ہزار بار

دل دماغ اور جگر یہ سب اِکبار   کام آئے فراق میں اے یار

احوال نامہ بر سے مرا سُن کے کہہ اُٹھا

جیتا ہے وہ ستم زدہ ہجور کیا ہنوز

اللہ رے عندلیب کی آواز دلخراش

جیو ہی نکل گیا جو کہا اُن نے ہائے گُل

بھلا تم نقدِ دِل لیکر ہمیں دشمن گنو اب تو

کبھی کچھ ہم بھی کر لینگے حسابِ دوستاں دردِل

زبانِ نوحہ گر ہوں میں قضا نے کیا ملایا تھا

مری طینت میں یارب سودۂ دِلہائے نالاں کو

بسمجھے ہی نہ پروانہ نہ تھا نبے ہی زبانِ شمع　　وہ سوختنی ہی تو یہ گردن زدنی ہی

میر پھر کہیو سرگزشت ابہی

بارے یہ کہہ مزاج تو خوش ہی

صد کارواں وفا ہی کوئی پوچھتا نہیں　　گویا متاعِ دِل کے خریدار مرگئے

آتش کے شعلے سر سے ہمارے گزر گئے　　بس ای تپِ فراق۔ کہ گرمی میں مرگئے

ناصح نہ رووین کیونکہ محبت کے جیو کو ہم　　ای خانماں خراب ہمارے تو گھر گئے

لے کلی مارے ڈالتی ہی نسیم　　دیکھیے لیکے سال کیا ہووے

میر تغیرِ حال پر مت جا　　اتفاقات ہیں زمانے کے

رُباعی

مسجد میں تو شیخ کو خروشاں دیکھا　　میخانہ میں جوشِ بادہ نوشاں دیکھا

ایک گوشۂ عافیت جہاں میں ہم نے　　دیکھا سو محلۂ خموشاں دیکھا

تمت

فہرست

بعدِ حمدِ سخن آفریں کہ اوست سزاوارِ تحسین و درودِ نا محدود بر آن شفیع المذنبین و علےٰ آلہٖ اجمعین کہ مقصود بود از آسمان و زمین ، پوشیدہ نماند کہ در فنِ ریختہ کہ شعریست بطورِ شعرِ فارسی بزبانِ اُردوئے معلّےٰ شاہجہان آباد دہلی، کتابے تا حال تصنیف نشدہ کہ احوالِ شاعرانِ ایں فن بصفحۂ روزگار بماند۔ بناءً علیہ ایں تذکرہ کہ مسمّی بہ **نکات الشعرا** نگاشتہ میشود۔

اگرچہ ریختہ در دکن است، چوں ازانجا یک شاعرِ مربوط بر نخواستہ لہذا شروع بنام آنہا نکردہ و طبعِ ناقص مصروف ایہم نیست کہ احوالِ اکثر آنہا ملال اندوز گردد، مگر بعضے ازانہا نوشتہ خواہد شد۔ انشاءاللہ تعالےٰ امید کہ بدستِ ہر صاحب سخنے بیاید بنظرِ شفقت بکشاید۔

حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ

مجمعِ کمالات و صاحبِ حالات، فضائلِ او اظہر من الشمس است۔ احوالِ امیر مذکور در تذکرہ ہا مسطور۔ ایں نوشتنِ احقر العباد فضولیست۔ اشعارِ ریختہ آں بزرگ بسیار دارد، دریں خود تردّدے نیست۔ ازانجملہ یک قطعہ تیمّناً نوشتہ آید۔

زرگر پسرے چو ماہ پارا — کچھ گھڑے سنوارے پکارا

نقدِ دلِ من گرفت و بشکست — پھر کچھ نہ گھڑا نہ کچھ سنوارا

مرزا عبد القادر بیدل

شاعرِ پر زور فارسی، صاحب دیوان پنجاہ ہزار بیت و مثنویات وغیرہ۔ اوائلِ جوانی نوکرِ شاہزادہ محمد اعظم شاہ بود۔ بعد از چندے ترکِ روزگار گرفتہ فروکش کرد۔ از مذاقِ شعرِ او دریافتہ میشود کہ بہرۂ کلّی از عرفان داشت۔ احوالش مفصلاً در تذکرہ ہا مرقوم است۔ ریختہ بنامِ او شنیدہ میشود، شاید بتقریبے گفتہ باشد۔ از وست۔

مت پوچھ دل کی باتیں وہ دل کہاں ہی ہم میں   اُس تخم بے نشاں کا حاصل کہاں ہی ہم میں
جب دل کے آستاں پر عشق آنکر پکارا   پردے سے یار بولا بیدل کہاں ہی ہم میں

سراج الدین علی خان آرزو

آب و رنگِ باغِ نکتہ دانی، چمن آرائے گلزارِ معانی، متصرفِ ملکِ زورطلبِ بلاغت، پہلوانِ شاعرِ عرصۂ فصاحت، چراغِ دودمانِ صفائیٔ گفتگو کہ چراغش روشن باد، سراج الدین علی خاں آرزو سلمہ اللہ تعالےٰ۔ ابداً شاعرِ زبر دست "قادرِ سخن عالم فاضل" تا حال ہیچ ایشاں بہندوستان جنت نشان بہم نرسیدہ بلکہ بحث در ایرانِ میرود۔ شہرۂ آفاق، در سخن فہمی طاق، صاحبِ تصنیفات دہ پانزدہ کتب و رسالہ و دیوان و مثنویات۔ حاصلِ کمالاتِ اذشان از حیزۂ بیاں بیرونست۔ ہمہ اوستادانِ مضبوط فن ریختہ ہم شاگردان آں بزرگوارند۔ گاہے برائے تفنّنِ طبع دوسہ شعر ریختہ فرمودہ ایں فنِ بے اعتبار راکہ ناختیار کردہ ایم اعتبار دادہ اند تبرکاً نوشتہ آمد۔

جان تجھ پر کچھ اعتماد نہیں + زندگانی کا کیا بھروسا ہے

میخانہ آج جا کر شیشے تمام توڑے + زاہد نیں آج اپنے دل کے پھپھولے توڑے

رکھے سیپارۂ گل کھول آگے عندلیبوں کے
چمن میں آج گویا پھول ہیں تیرے شہیدوں کے

وعدے تھے سب خلاف جو تجھ لب سے ہم سنے + یہ لعل قیمتی دیکھو جھوٹا نکل گیا

ہر صبح آوتا ہے تیری برابری کو + کیا دن لگے ہیں دیکھو خورشید خاوری کو

مرزا معز فطرت موسوی خان

موسوی خاں خطاب است۔ معز و فطرت و موسوی ہرسہ تخلص میکند۔ احوالِ او منِ و عن در تذکرہ سراج الدین خاں صاحب کہ اوستاد و پیرو مرشد بندہ است مسطور۔ ہمچو مسموع است کہ ایں شعر ریختہ شاعر مرقوم گشتہ

واللہ اعلم۔

از زلفِ سیاہِ تو بدل دھوم پڑی ہے ✦ در خانۂ آئینہ گھٹا جھوم پڑی ہے

مرزا جان جاں مظہر

مظہر تخلص مردیست مقدس مطہر درویش عالم صاحبِ کمال شہرۂ عالم بےنظیر معزز مکرم۔ اصلش از اکبر است۔ پدرِ او مرزا جان جاں نام داشت۔ از فرطِ شفقت مرزا جان جاں میگفت۔ ازیں سبب ہمیں اسم موسوم است۔ بندہ بخدمتِ او رفتہ سعادت اندوز گشتہ است۔ اکثر اوقات در یادِ الٰہی صرف میکند۔ خوش تقریر بمرتبہ است کہ در تحریر نمیگنجد۔ دیوان مختصر شعر فارسی او بنظرِ فقیر مؤلف آمدہ است۔ از سلیم و کلیم پائے کمی ندارد۔ اگرچہ شعر گفتن دوں مرتبہ است۔ لیکن گاہے متوجہ ایں فنِ بیحاصل نیز میشود۔ انعام اللہ یقین و حزین کہ شاعرِ ریختہ اند شاگردانِ اُو بندہ غرض مرزا عجب کسے است۔

خدا کے واسطے اسکو نہ ٹوکو ✦ یہی ایک شہر میں قاتل رہا ہے

جوان مارا گیا خوبوں کے اوپر میرزا مظہر
بھلا تھا یا برا تھا زور کچھ تھا خوب کام آیا

مرتا ہوں میرزا نپے گل دیکھ ہر سحر   سورج کے ہاتھ چوڑی و پنکھا صبا کے ہاتھ

کسی کے خون کا پیاسا کسی کی جان کا دشمن
نہایت مُنھ لگا یا ہی سجن نیں بیڑہ پان کوں

توبہ کی ہی ہم نے اور دعویٰ میں مچاتی ہی بہار۔
ہائے کچھ چلتا نہیں کیا مفت جاتی ہی بہار

آتش کہو شرارہ کہو، کوئلا کہو   مت اس ستارہ سوختہ کو دل کہا کرو

گر گل کو گل کہوں تو ترے رو کو کیا کہوں   بولوں نگہ کو تیغ تو ابرو کو کیا کہوں

شاہ ولی اللہ اشتیاق

مردے بود ذی علم از اولاد شیخ الف ثانیست۔ نبیرہ

شاہ محمد گل، مولدِ او سرہند است۔ در کوٹلہ فیروز شاہ سکونت داشت۔ درویش متوکل گاہے فکرِ ریختہ میکرد۔ ازوست۔

لڑکوں کے پتھر ونکی لگے کیونکہ اس کو چوٹ — ہر ایک گردِ باد ہی مجنوں کو ڈھول کوٹ

چھوڑ کر تجکو ہمیں اور سے جو لاگ لگے — نہیں مہندی یہ ترے تلووں سیتی آگ لگے

بتاں جو ہجر کی باتیں ہمیں سناتے ہیں — کچھ وہ نہیں کہ یہ خدا کی باتیں ہیں

قزلباش خاں اُمید

مردے معلےٰ بود، شاعرِ غرائے فارسی، نکتہ پرداز بذلہ سنج کوچک دل عزیز دلہا یارباش خوش اختلاط ہمیشہ خنداں و شگفتہ رو بسر برد۔ داخلِ ذیلِ امرار بود و در ہر سیر و تماشا میرفت و صحبتہا میداشت۔ چنانچہ یکروز در عرسِ سید حسن رسول نما صاحب قدس سرہ العزیز بندہ نیز بہ تحریکِ یارانِ موافق رفتہ بود۔ و او ہم تشریف میداشت۔ چوں مرا از دور دید۔ گفت۔ کہ خوش باشد کہ من ہم دریں ایام

دو شعر ریختہ موزوں کردہ ام۔ بشنوید۔ از وست۔

درو دیوار سے اب صحبت ہے + یار بن گھر میں عجب صحبت ہے

تیری آنکھوں کو دیکھ ڈرتا ہوں + الحفیظ الحفیظ کرتا ہوں

مرزا گرامی

پسرِ پیاکِ کشمیری است کہ قبول تخلص میکرد۔ نقلِ احوالِ او در تذکرۂ خانصاحب مرقوم است۔ چوں دید کہ ہنگامۂ ریختہ گرم شدہ خودش نیز شعرِ ریختہ گفت بطورے کہ ذہنت و آن نیست۔

حاضری بن محل نہیں کھاتا + بیگمی ہے پسیر شعم کا

رائے انندرام

مخلص تخلص مشہور، از شاہجہان آبادست، وکیلِ نوابِ وزیر اعتماد الدولہ مغفور و مرحوم۔ شاعرے مقررے فارسی،

در عنفوانِ جوانی مشقِ سخن بخدمت مرزا بیدل میکرد۔ دریں ایّام اشعارِ خود را از نظر خانصاحب سراج الدین علی خاں میگذرانید۔
از مدّت آزارِ نفث الدم داشت، قریب یکسال است که در گذشت۔ احوالش در تذکرۂ خانصاحب مذکور مفصل مسطور است۔

دھوم اُڈنے کی کس کی گلزار میں پڑی ہے
ہاتھ ارگجے کا پیالہ نرگس لئے کھڑی ہے

میاں نجم الدین عرف شاہ مبارک

متخلص بآبرو متوطن گوالیار، نبیسۂ حضرت محمد غوث گوالیاری است نور اللہ قبرہٗ۔ از ابتدائے جوانی در شاہجہان آباد آمدہ، چنانچہ مشقِ سخن ہم اینجا کردہ۔ شاگرد خانصاحب سراج الدین علی خاں است۔ از چشم پوشیِ روزگارِ دجّال شعار، یک چشمش از کار رفتہ بود۔ شاعرِ نادرہ گوئے ریختہ، میگویند، کہ طبعے شوخے داشت۔ غرض مستغنیِ وقتِ خود بود۔ کہ عہد محمد شاہ باشد، خداش مغفرت بکند۔ از وست۔

آیا ہے صبح نیند سے اُٹھ رسمسا ہوا ✤ جامہ گلے میں رات کا پھولوں بسا ہوا

جدائی کے زمانہ کی میاں کیا زیادتی کہیے ❖ کہ اس ظالم کی جو ہم پر گھڑی گذری سو جگ بیتا

بوسہ لبوں کا دینے کہا کہہ کے پھر گیا ❖ پیالہ بھرا شراب کا افسوس گر گیا
قول آبرو کا تھا کہ نہ جاوے گا اس گلی ❖ ہو کر کے بیقرار دیکھو آج پھر گیا

مشتاقِ عذر خواہی نہیں آبرو تو کیا ہے ❖ یہ روٹھ روٹھ چلنا چل چل کے پھر ٹھٹکنا

فرہاد کا دل کوہ کو می کا بھرا پیالہ ہوا ❖ مستی سے جس کے شوق کی ہر سنگ متوالا ہوا

دل کے اوپر بہار میں احوال سخت دیکھ ❖ دے مارتی ہے داغ میرے کو کلی اٹھا

یہ سبزہ یہ آبِ رواں اور ابر یہ گھرا ❖ دیوانہ نہیں گھر میں رہوں چھوڑ کے صحرا

گر یہ ہی مسکرانا تو کس طرح جئیں گے ❖ تم کو تو یہ ہنسی ہے پر ہے مرن ہمارا

یار ڈرو کمر سے مروڑ و نہ بھر کے انگ ❖ آجا کہیں لچک تو ابھی لاگ جائے لنگ

دور خاموش بیٹھ رہتا ہوں ✤ اس طرح حال دل کا کہتا ہوں

سر سے لگا کے پانوں تلک دل ہوا ہوں ✤ . . . .

دل کب آوارگی کو بھولا ہے ✤ چاک اگر ہو گیا بگولا ہے

آغوش میں بھواں کے کرتی ہیں قتل آنکھیں ✤ کوئی پوچھتا نہیں ہے مسجد میں خون ہوا ہے

کرتے تو ہو تغافل پر حال آبرو کا ✤ دیکھو تو تم بھی پیارے بے اختیار رو دو

نہیں تارے بھرے ہیں شک کے نقط ✤ اس قدر نسخۂ فلک ہے غلط

اگر بجائے اس قدر، کس قدر میگفت. شعر آسمان میر سید۔

مجھ ناتواں کی حالت واں جا کہے ہے اوڑ کر

میرا بہ رنگ رہ ہی گویا مکھی کبوتر

عالم آب میں آسان نہیں اے شیخ گذر ✤ خوف سے غرق کے یہاں بحر ہی کشتی میں سوار

ؔ دوسرا مصرع اصل کتاب میں نہیں ہے ۱۲

خوب تیری شکل آسکتی نہیں تصویر میں ✣ تم ہیں گندہ ہیں مصور کھینچتا ہو اتنظار

کریں جو بندگی ہووین گنہہ گار ✣ بُتوں کی کچھ نرالی ہو خدائی

ابرو کے قتل پر حاضر ہوا کس کر کمر ✣ خون کرنیکوں چلے عاشق تہمت باندھکر

زندگی ہی سراب کی سی طرح ✣ بادبندی حباب کی سی طرح
تجھ اوپر خون نے گناہوں کا ✣ چڑھ رہا ہو شراب کی سی طرح
کون چاہے گا گھر بسے تجکو ✣ تجھ سے خانہ خراب کی سی طرح

کیوں چھپا ظلمت میں گر تجھ لب سے شرمندہ نتھا
جان کچھ باقی مری ہی چشمہ حیوان کے بیچ
مجلسِ رنداں میں مت لیجا دل نے شوق کو
شیشۂ خالی کی کیا خوبی ہی مینا دل کے بیچ

کچھ ٹھہری نہیں کہ کیا ہوے گی ✣ اس دل سے قرار کی بہت

نہ تھا کچھ اور میرے شوق کا حسن صفا باعث ÷ یہی پیاری طرح موجب ہی کا فرواد باعث

تم اور گلرخاں سے اب آنکھ جو لگائے ÷ بادام کو پیارے پھولوں کے بیچ باسا

دل تو دیکھو آدم بیباک کا ÷ عشق سے پتلا بھرا ہی خاک کا

سجن اوروں کا تشنہ ہو کے سنتا اور سب کہتا
مگر ایک آبرو کی بات جب کہتے تو پی جاتا

انساں ہی تو کبر سے کہتا ہی کیوں آنا
آدم کو تو سنا ہی کہ ہی خاک سے بنا

رہتے ہیں جو میں مصرع دلچسپ کس طرح
گھر بار ہو ہے سرو قد دل کا برائے بیت

ملامت اس قدر کرتے ہو نے حاصل ہی یہ
لگ چکا اب چھوٹنا مشکل ہی اس کا دل ہی یہ

زلف کی شان کُھلا اوپر دیکھو * کہ گویا عرش میں لٹکتی ہے
کیا ہوا مرگیا اگر فرہاد * روح پتّھر سے سر پٹکتی ہے

تُمھاری لوگ کہتے ہیں کمر ہے * کہاں ہے کس طرح کی ہے کدھر ہے

یوں آبرو بناوے دل میں ہزار باتیں
جب رو برو ہو تیرے گُفتار بھول جاے

اب دیں ہوا زمانہ سازی * آفاق تمام دہریا ہے

جیونا مثلِ حباب اس جگ میں دم کا پیچ ہے
یہ گرہ کُھل جا تو دیکھو زندہ گانی ہیچ ہے

زندگانی تو ہر طرح کاٹی * مرکے پھر جیونا قیامت ہے

اُٹھ چیت کیوں جنونستی خاطر نچنت کی
آئی بہار تجکوں خبر ہے بسنت کی

جہاں تجھ خو کی گرمی تھی نہ تھی کچھ آگ کو عزّت
مقابل اس کے ہو جاتی تو آتش لکڑیاں کھاتی

لٹک چلنا سجن کا بھولتا نہیں ابتلک مجکو
طرح وہ پانوں رکھنے کی مبری آنکھوں میں پھرتی ہے

اُس کی کنجی زبانِ شیریں ہے ٭ دل مرا قفل ہے بتاسہ کا

حُسن ہے پر خوبرویوں میں وفا کی خو نہیں
پھول ہیں یہ سب پر ان پھولوں میں ہرگز بو نہیں

قیامت کیا تم ٹک ایک ہنس کے بولے
مجھے بات کی بات میں مار ڈالا

میاں شرف الدین

مضموں تخلص مردے بود، نوکر پیشہ متوطن جاجمؤکہ قصبہ ایست،

متصل اکبرآباد، حریف ظریف بشاش بشّاش، ہنگامہ گرم کن مجلسہا، ہرچند کم گو بود، لیکن بسیار خوش فکر، و تلاش لفظ تازہ زیادہ۔ دیوانش ہمہ جہت دوصد بیت خواہد بود۔ از شروعِ جوانی بہ شاہجہان آباد آمدہ، و در زینت المساجد سکونت داشت آخر الامر ہمیں جا فوت کرد۔ از احفاد حضرت شیخ فرید شکر گنج بود نوراللہ مرقدہٗ۔ چنانچہ خود میگوید۔

کریں کیوں نہ شکر لبوں کو مرید
کہ دادا ہمارا ہی بابا فرید

شاگرد خانصاحب سراج الدین علی خاں صاحب است۔ چوں دندانِ اُو بسببِ نزلہ ہمہ اُفتادہ بودند۔ ازوست۔

جو دو پیالہ سحر کو بھر کے اور دو شام کو لیگا
وہ تخت اپنے میں جوں خورشید چاروں جام کو لیگا

ہم نے کیا کیا نہ تیرے عشق میں محبوب کیا
صبرِ ایوب کیا گریۂ یعقوب کیا

ایک تو تھا ہی وہ مہر و خود پسند * ہوگیا دیکھ آرسی کے تیں دوچند

ہنسی تیری پیارے پھلجھڑی ہے ✤ یہی غنچہ کے دل میں گلجھڑی ہے

میکدہ میں گر سراسر فعل نامعقول ہے ✤ مدرسہ دیکھا تو واں بھی فاعل مفعول ہے

چھوٹے سینوں سے یوں ہوا معلوم ✤ تیری آنکھوں کے دو پلکے ہیں

میرا پیغام وصل ای قاصد ✤ کہو سب سے اُسے جدا کر کے

اتفاقاً من اشعارِ ایشانرا انتخاب میبردم، میاں محمد حسین کلیم که احوالِ اوشاں نیز خواهد آمد انشاالله تعالےٰ، اوشان نیز نشسته بودند، من ایں شعر را پیشِ مشارالیه خواندم و شعر ایں قسم بود۔

میرے پیغام کو تو ای قاصد ✤ کہو سب سے اوسے جُدا کر کر

چوں ایں حرف موافق سلیقۂ شعرا بود لهذا همچناں نوشته آمد

کرے ہے دار بھی کامل کو سرتاج ✤ ہوا منصور سے نکتہ یہ حل آج

کیا سمجھ بلبل نے باندھا ہے چمن میں آشیاں

ایک تو گل بیوفا اور تسپہ جور باغباں

اگر پاؤں تو مضموں کو رکھوں باندھ * کروں کیا جو نہیں لگتا مرے ہاتھ

نہیں ہیں ہونٹھ تیرے پان سے سرخ * ہوا ہی خون میرا آکے لبریز

چلا کشتی میں آگے سے جو وہ محبوب جاتا ہی
کبھی آنکھیں بھر آتی ہیں کبھی جی ڈوب جاتا ہی
مرا یہ اشک قاصد کی طرح یکدم نہیں تھمتا
کسی بیتاب کا گویا لئے مکتوب جاتا ہی

مضمون توں شکر کہ ترا اسم سن زیب
غصّہ سے بھوت ہو گیا لیکن جلا تو ہی

شاعر مسطور بجائے اسم نام موزوں کردہ بود ، اسم اصلاح خانصاحب است۔ وہ چہ اصلاح۔ زیرا کہ اہلِ دعوت اسم میخوانند نہ نام۔ فافہم۔

مصطفےٰ خاں یکرنگ

یکرنگ شاعرِ ریختہ معاصرِ میاں آبرو۔ میگویند کہ بسیار

چنیاں اختلاط و آشنائے درست بود۔ از احوالِ اُو خوب اطلاع ندارم۔ از وست۔

لبِ شیریں سے تلخ کاموں کو ✤ بولنا تلخ کام ہی تیرا
ہاتھ اُٹھا جور اور جفا سے تو ✤ یہی گویا سلام ہی تیرا

ترک عاشق میں ننگ و نام کیا ✤ کام اپنا جو تھا تمام کیا

اس قدر کیا ہی حمایت غیر کی ✤ ہم بھی تو تم سے کبھی تھے آشنا

جب سیتی گلرخوں سے یار رہا ✤ خلق کی میں نظر میں خوار رہا
خلق یکرنگ کی ہوئی دشمن ✤ جب سے تیرا وہ دوستدار رہا

در مرثیہ امام حسین صلوٰۃ اللہ علیہ گفتہ۔

زخمی برنگِ گل ہیں شہیدان کربلا ✤ گلزار کی نمط ہی بیابانِ کربلا
کھانے چلا ہی زخم ستم ظالموں کے ہاتھ ✤ دھو ہاتھ زندگی سیتی مہمانِ کربلا
اندھیر ہی جہاں میں کہ اب شامیوں کے ہاتھ ✤ ہی سر بریدہ شمعِ شبستانِ کربلا

سُنتا نہیں ہی بات کسی کی تو ای سجن ✤ تجکو ترا غرور نجانوں کرے گا کیا

خونِ دل کا مجھے شراب ہوا * جگرِ سوختہ کباب ہوا

اتا ہی مست اپنے حسن کی مے سے سجن میرا
کہ کھاتا ہی بیاں کرنے سیتی لغزش سخن میرا

نہ کر گوہر سیتی ہرگز برابر * اگر معلوم ہی رتبہ سخن کا

مجھے مت بوجھ پیارے اپنا دشمن * کوئی دشمن بھی ہو ہے اپنی جان کا

اگر آوے مرے گھر وہ پیارا * کروں اس ماہ کو ہتلی کا تارا
مرا دشمن ہوا یکرنگ وہ شوخ * کیا کیوں عشق میں نے آشکارا

کم نہیں کچھ بوئے گل سیتی فغانِ عندلیب * برگِ گل سے ہیگی نازک تر زبانِ عندلیب

زبانِ شکوہ ہی مہندی کا ہر بات * کہ خوباں نیں لگائے ہیں مجھے لات
مسخرِ حسن کے شاہ و گدا ہیں * رکھے ہیں خوبرو ظاہر کرامات

یاد آتی ہی تازگی بہار * دیکھ ہر خشک خار کی صورت
سچ کہے جو کوئی سو مارا جائے * راستی ہے گی دار کی صورت
اعتقاد فقیر بجائے سچ حرفِ حق اولی است۔
پھر گیا ہائے ہم سے وہ مہرو * سرد مہری سے ہی ہوا کی طرح

ہوا نہ راحتِ جاں مہرباں حیف * مری محنت گئی سب رائگاں حیف

بنا بر مصلحت ہی یہ جو تم سے * رہا ہی روٹھ دن دو چار یکرنگ

محبّت کا عجب بیرنگ ہی رنگ * کبھی عاشق کبھی معشوق ہیں ہم

برنگِ شمع دایم تجھ لگن میں * سجن روتے پھرے ہم انجمن میں

تا گلے تیرے لگوں ہر بار میں * روٹھتا ہوں اس سبب ہر بار میں

کیوں کھینچے ہو تیغ سجن مجھ میں دم نہیں * پنہاں نگہہ تمھاری بہ گیتی سے کم نہیں
کہتے ہیں ہم پکار سنو کان دھر سجن * گر غیر سے ملوگے تو دیکھوگے ہم نہیں

تجھ زلف کا یہ دل ہی گرفتار بال بال + یکرنگ کے سخن میں خلاف ایک مو نہیں

دل مرا لیکے جو د بدھا میں پڑے ہو اس بھانت
کیا سجن اس کا کوئی جگ میں خریدار نہیں

پارسائی اور جوانی کیونکے ہو + ایک جاگہ آگ پانی کیونکے ہو

اُس پری پیکر کو مت انسان بوجھ + شک میں کیوں پڑتا ہی ای بلِ جان بوجھ

برگِ حنا اوپر لکھو احوالِ دل میرا + شاید کبھی تو جا لگے اُس دلربا کے ہاتھ

جو کوئی توڑتا ہی غنچۂ گل + دل کو میرے شکستہ کرتا ہی

نہ کہو یہ کہ یار جاتا ہی + میرا صبر و قرار جاتا ہی
گر خبر لینی ہی تو لے صیّاد + ہاتھ سے پھر شکار جاتا ہی

لگے ہی جاکے کانوں میں بتوں کے + سخن یکرنگ کا گویا گُہر ہی

کیا جانیے کہ وصل تیرا کس کے ہو نصیب ✦ ہم تو ترے فراق میں اے یار مر گئے

نہ تو ملنے کے اب قابل رہا ہی ✦ نہ مجھ کو وہ دماغ اور دل رہا ہی

اب تو تمھیں نباہے ہی ہم سے سجن پڑے ✦ ہم سب طرف سے ہار تمھارے گلے پڑے

یکرنگ پاس کیا ہی سجن اور کچھ بساط ✦ رکھتا ہی دو نین جو کہو تو نظر کرے

جس کے دردِ دل میں کچھ تاثیر ہی ✦ گر جوان بھی ہو تو میرا پیر ہی

چشم پیارے کی دیکھ مژگاں میں ✦ گویا سبزے کے بیچ آہو ہی

اُس کو مت بوجھو سجن اوروں کی طرح ✦ مصطفےٰ خاں آشنا یکرنگ ہی

اگر شعر من بود پیش مصرع انیقسم موزوں میدادم (مصرع)

مت تلوّن اُس میں سمجھیں آپسا

محمد شاکر ناجی

جوانے بود آبلہ رو، سپاہی پیشہ، مزاجش پیشتر مائل بہزل

معاصرِ میاں آبرو۔ بندہ با او یک دو ملاقات کردہ بودم۔ شعر ہزل خود میداند و مردمان را بخندہ مے آورد۔ و خود نمیخندید، مگر گاہے تبسّمے میکرد۔ وطنش شاہجہان آباد۔ جوان از جہان رفت۔ اشعارِ جستہ جستۂ او انتخاب کردہ نوشتہ میشود۔

روا کب ہی مجھ او پر تیغ کو ہر دم علم کرنا ٭ میری تقصیر بھی کچھ کی ہی ثابت یا ستم کرنا

بلند آواز سے گھڑیال کہتا ہی کہ ای غافل ٭ کٹی یہ بھی گھڑی تجھ عمر سے اور تو نہیں چیتا

نمکین حسن دیکھ کر پی کا ٭ رنگ گل کا لگا مجھے پھیکا

دیکھ ہم صحبت کی دولت سے نہ رکھ چشم کرم ٭ لب صدف کے تر نہیں ہر چند ہی گوہر میں آب

برمتامل پوشیدہ نیست کہ پیش مصرع اینچنیں میبایست۔ مصرع

مت رکھے چشمِ کرم دولت سے اپنے خورد کی

گر سلیماں کا تخت دیں مت لے ٭ کہ سب آخر کو جائے گا برباد

تری نگاہ کی کثرت سے ای کماں ابرو ✤ ہمارے سینہ میں تودا ہوا ہی تیروں کا

✤

پیالہ پیوے ہی نئنونہوڑوں سے ✤ کھولے ہی لب ہزار زوروں سے

✤

کرلے کرم ای مہرباں پھر ہم کہاں اور تم کہاں

نہیں دیکھ سکتا آسماں پھر ہم کہاں اور تم کہاں

✤

تکلیف کھینچے حد سے زیادہ رکھے جو فیض

گو نام کو ہما رہے کھاوے کیا اپنے ہاڑ

✤

ملنے کو نو خطاں کے واعظ برا کہے ہی

مجہول ہیں یہ باتیں ہم خوب جانتے ہیں

✤

عید ہوتی جو کوئی افطار کرتا جس کے گھر

اب بتا دیں طی کا روزہ دیکھ کر مہمان کو

✤

آج تو ناجی سجن سے کر تو اپنا عرض حال ✤ مرنے جینے کا نہ کر سواس ہو نی ہو سو ہو

غم نہیں گر دلبری سے دل کو لیجاتا ہی وہ
پاس میرے تب تو آتا ہی جو دل پاتا ہی وہ

کیا فردا کا وعدہ سرو قد نے + قیامت کا جو دن سنتے تھے کل ہی

ہوا جب آئینہ میں جلوہ گر تب میں لیا بوسہ
جو آیا اپنے قابو میں تو پھر منھ دیکھنا کیا ہی

موجی ہی اپنے جی کا مجھی نہ دے کہے سے
اور اب مخالفوں نے وہ بات ہی ڈبوئی

نہ جانا یہ کہ اس پر کئی موتے ہیں + عبث کرنے گیا میں گور پہ گور

نرگس کے تئیں میں ہرگز لاتا نہیں نظر میں
دیکھیں ہیں میں نے آخر پیارے تمھاری آنکھیں

دیکھ دلبر تری کمر کی طرف + پھر گیا مانی اپنے گھر کی طرف

حشر میں پاک باز ہیں ناجی ✤ بدعمل جائینگے سقر کی طرف

مجکو باتوں میں لگا معلوم نہیں کیا کہہ گیا ✤ لیچلا جب دل کے تئیں منھ دیکھتا میں رہ گیا
ڈوب گیے کئی ملک جب کھولی لب دریا نے پلک ✤ حیف ناجی کو نہ پوچھا کس لہر میں بہہ گیا

اغنیا کے در بدر مقدور جبتک مت نہ جا ✤ سخت حاجت ہو تو جا لاچار گی ہے جا ضرر

چاہیے اشراف کو مفلس ہو مجلس میں نہ جا ✤ گوکہ وہ دبلا نہ ہو پر بوجھتے ہیں سب حقیر

جہاں دل بند ہو ناجی کا وہاں آوے خلل کرنے
رقیبِ لاولد ناصح گویا لڑکوں کا باوا ہے

اشرف الدین علیخاں پیام

شاعر قرارداد شاعرانِ فارسی عہد خود بود۔ و صاحبِ دیوان ریختہ نیز۔ از خاکِ پاک اکبرآباد است۔ بندہ اکثر ملاقات کردم۔ چنانچہ بامیان نجم الدین علی سلام کہ خلف الصدقِ اوست، فقیر را

اخلاص لیست۔ ہمیشہ اتفاقِ باہم نشستن، و فکر شعر کردن، و گپ زدن مے افتد۔ احوالِ او ہم نوشتہ خواہد شد۔ انشاء اللہ تعالیٰ

از وست۔

بات منصور کی فضولی ہے ✤ ورنہ عاشق کو آہ سولی ہے

دلی کے کجکلاہ لڑکوں نیں ✤ کام عشاق کا تمام کیا
کوئی عاشق نظر نہیں آتا ✤ ٹوپی والوں نیں قتل عام کیا

میاں احسن اللہ

مردے بود معاصر میاں آبرو، طبعش بسیار مائل بہ ایہام بود، ازیں جہت شعرِ او نے رتبہ ماند۔ دیگر احوالش معلوم من نیست.

از وست۔

یہی مضمون خط ہے احسن اللہ ✤ کہ حسنِ خوبرویاں عارضی ہے

میاں سعادت علی

از سادات امروہہ بود۔ مردے سلیم الطبع کم سخن متواضع سعادت

تخلص میکرد۔ فی الجملہ چاشنیِ درویشی داشت۔ شعرِ اُو خالی از لطف نیست۔ با بندہ ربط بسیار داشت از وست۔

کس سے پوچھوں دل مرا چوری گیا زلفوں میں رات
ایک جو شانہ ہے سو وہ تیل میں ڈالے ہے بات

ہوش کھو دیتی ہیں میرا اُس کی آنکھیں مے پرست
بسکہ ہوں کم ظرف دو پیالوں میں ہو جاتا ہوں مست

کیا صید آہوئے دل آسواری سے میاں تم نے
کمر کی ڈاب نہیں کھولی گویا چیتے کی ڈوری تھی

واللہ جو سر لوح تیرا نام نہ ہوتا ✦ ہرگز کسی آغاز کا انجام نہ ہوتا

یار سے جو رقیب لڑتے ہیں ✦ یہ ہمارے نصیب لڑتے ہیں

اہلِ زر کے سیم تن ہوتے ہیں رام ✦ صید ہو ہیں جب جگہ دیکھیں ہیں دام

پپیہے کی طرح دار و کے شیشے + زبانِ حال سے کہتے ہیں پی پی

بینوا تخلص

احوالِ او بہ تحقیق نمے پیوندد۔ در وقتِ محمد شاہ بادشاہ سنکرن نام جوہری جوتے فروشے را کشت۔ باعث او بلوا شد۔ چنانچہ جوتے فروشاں در جامعِ مسجد مانعِ خطبہ گشتند۔ ظفرخانِ روشن الدولہ، کہ بطرہ باز شہرت دارد، جوہری مذکور را پناہ داد۔ آخر ہنگامہ برپا شد، و جنگِ عظیم درمیانِ امرایان عظام افتاد۔ بسیار از طرفین بقتل رسیدند۔ ظفرخاں تاب نیاورد و گریخت۔ ازیں سانحہ ایں قسم خفت کشید کہ ازآں بازاز خانہ بدر نیامد۔ آں قصہ را شاعرِ مسطور در مخمس بست کہ ہنوز برالسنہ مذکور است۔ ازوست۔

یہ کیا ستم ہوا ای فلکِ ہرزہ نابکار + تیغ پر جو تیز کی خنجر کی اپنے دھار

جوتے فروش مرد مسلمان دیندار + مردود جوہری نے لیا ہے ستم سے مار

سنگِ جفا سے چور کیا لعل آبدار

کتنوں کو مارہی سے قضا نے گرا دیا + کتنوں کو ہی بچا کے بہت ٹھہرا دیا

کاغذ پہ بینوا نے یہ سُن کر چڑھا دیا ٭ لگتے ہی مار جوتیوں طـمرہ گرا دیا
"تاحشر ہر زباں پہ رہے گا یہ یادگار

عطا

نام او باشے گذشتہ است در عہد عالمگیر بادشاہ۔ ازوست۔
ای ور نبرد حسنِ تو کشتہ بچپار چشم ٭ زیر مژہ نہفتہ چو آہو بچپار چشم

میر جعفر

بجعفر زٹلی مشہور است، نادرہ زمان، و اعجوبۂ دورانِ خود بود۔ زبان گزیدہ داشت۔ وضیع و شریف ہمہ از د ملاحظہ میکردند، و چیزے میداوند۔ چوں بخانہ کسے مے آمد، دو کاغذ ہمراہ گرفتہ مے آمد۔ بر یک پارچہ ہجوِ صاحب خانہ و بر دیگرے مدح اورا۔ اگر مدارا از و میدید، مدح میخواند، وگرنہ ہرچۂ کاغذِ ہجو را بالِ شہرت مے داد۔ ہجو محمد اعظم شاہ پسر عالمگیر بادشاہ، کہ در رقعات عالمگیری بہ عالیجاہ امتیاز وارد کردہ۔

چہارم پسر ڈومنی کا جنا + برج ہیں رہے جوں......
القصہ شعرِ ہزل بسیار دارد - چوں پیشِ اعظم شاہ بار یاب
شد، ایں شعر در مدح او بداہتہً گفت -
نگینِ سلیماں کہ تابندہ بود + ہمیں نقش اعظم برآں کندہ بود
صلۂ لایق بجایزہ ایں مطلع یافت - نقل است کہ روزے
بخانہ مرزا بیدل آمد و بر روئے مرزا ایں مصرع خواند - ع

چہ عرفی چہ فیضی بہ پیشِ تو ہیش

مرزا ازیں معنی بسیار تر آمد و زود رخصت کرد -

مرزا رفیع

المتخلص بسودا، کہ جوانیست خوش خلق و خوش خوے گرمجوش
یارباش شگفتہ روئے - مولدِ او شاہجہاں آباد است - نوکرپیشہ
غزل و قصیدہ و مثنوی و قطعہ و مخمس و رباعی ہمہ را خوب
میگوید - سرآمد شعرائے ہندی اوست - بسیار خوشگو است -
ہر شعرش طرفِ لطف رستہ رستہ، در چمن بندی الفاظش
گلِ معنی دستہ دستہ - ہر مصرعِ برجستہ اش را سروِ آزاد بندہ،

پیش فکرِ عالیش طبع عالی شرمندہ۔ شاعرِ ریختہ، چنانچہ ملک الشعراے ریختہ اورا شاید۔ قصیدہ در ہجو است گفتہ بہ تضحیکِ روزگار، دور از حدِ مقدور در اُو صفتہا بکار بردہ۔ مطلعش اینست:۔

ہی چرخ جب سے ابلقِ ایام پر سوار
رکھتا نہیں ہی دستِ عناں کا بیک قرار

اکثر اتفاق طرحِ غزل باہم مے افتد۔ غرض از مغتناتِ روزگار است۔ حق تعالیٰ سلامتش دارد۔ ازوست۔

بیکس کوئی مرے تو جلے اس پہ دل مرا ٭ گویا ہی یہ چراغ غریبوں کی گور کا

ٹوٹے تری نگہ سے اگر دل حباب کا ٭ پانی بھی پھر پیوں تو مزا ہو شراب کا

موجِ نسیم گرد سے آلودہ ہی پیٹھ ٭ دل خاک ہوگیا ہی کسی بیقرار کا

کس طرح تیری راہ میں گھبرا کے کوئی ٭ سدِّ رہ ہو نہ سکے عمر چلی جاتی کا

زباں ہی شکر میں قاصر شکستہ بالی کے ٭ کہ جن نے دل سے مٹایا خلش رہائی کا

سودا قمارِ عشق میں شیریں سے کوہکن ✤ بازی اگرچہ پا نہ سکا سر تو کھو سکا
کس مونھ سے پھر تو آپ کو کہتا ہی عشق باز ✤ ای روسیاہ تجھ سے تو یہ بھی نہ ہو سکا

نہ کھینچ ای شانے ان زلفوں کو یہاں سودا کا دل اٹکا
اسیرِ ناتواں ہی یہ نہ دے زنجیر کو جھٹکا
پرے رہ برقِ خارِ آشیاں میرے سے کہتا ہوں
اُڑیگا دھجیاں ہو کر ترا دامن جو یہاں اٹکا

سودا ہوے جب عاشق کیا پاس آبرو کا
سُنتا ہی ای دیوانے جب دل دیا تو پھر کیا

موجِ آتش ہی سیل آنکھوں کا ✤ دل کا شاید کہ آبلہ پھوٹا
نہ جیا تیری چشم کا مارا ✤ نہ تیری زلف کا بندھا چھوٹا

پھرے ہی شیخ یہ کہتا کہ میں دنیا سے مُنھ موڑا
الٰہی اِن نے اب داڑھی سوا کس چیز کو چھوڑا

جو گزری ہم پہ مت اُس سے کہو ہوا سو ہوا ÷ بلا کشانِ محبت پہ جو ہوا سو ہوا
مبادا ہو کوئی ظالم ترا گریباں گیر ÷ مرے لہو کو تو دامن سے دھو ہوا سو ہوا

ترا جیو مجھ سے نہیں ملتا مرا دل رہ نہیں سکتا
غرض ایسی مصیبت ہی کہ میں کچھ کہ نہیں سکتا
ترے آگو سحر آنکھوں سے آنسو کیونکہ چلتے ہیں
جو تو دریا پہ گزرے ہی تو پانی بہ نہیں سکتا

تجھ بن عجب معاش ہی سودا کا اندنوں
تو بھی ٹک اُس کو جا کے ستمگار دیکھنا
نی حرف و نی حکایت و نی شعر و نی سخن
نی سیر باغ و نی گل و گلزار دیکھنا
یا جا کے اُس گلی میں جہاں تھا ترا گذر
لے صبح تا بشام کئی بار دیکھنا
تسکینِ دل نہ اُس میں بھی پائے تو بہرِ شغل
پڑھنا یہ شعر گر کبھی اشعار دیکھنا
کہتے تھے ہم نہ دیکھ سکیں تجکو غیر پاس

پر جو خدا دکھاے سو ناچار دیکھنا

کسی دیندار کافر کو خیال اتنا نہیں آتا
سحر کیا ہو چکی سودا کے جیو پر شام کیا ہوگا

سودا سے یہ کہا میں دل اس طرح کھینچنا + کہنے لگا کہ ناداں کیا پوچھتا ہی ہونا

سودا سے میں یہ پوچھا دل میں بھی دو کسی کو
وہ کرکے بیان اپنی روداد بہت رویا

کیوں اسیری پر مری صیاد کو تھا اضطراب
کیا قفس آباد ہووے ہو گئے گلشن خراب

ہندو ہیں بت پرست مسلمان خدا پرست + میں پوجتا ہوں اس کو جو ہو آشنا پرست

گل رخصت بہار تھی شبنم سفت ہیں زور + رویا ہر ایک گل کے گلے لگ چمن کے بیچ

یا تبسّم یا نگہہ یا وعدہ یا گاہے پیام
کچھ بھی ای خانہ خراب اس دل کے سمجھانے کی طرح

منعم نہ مر بنائے عمارت کی فکر میں ٭ یے سب حویلیاں تھیں جہانتک ہو اُب اُجاڑ
کتنا شگفتہ رو ہی کہ مانندِ آرسی ٭ چھاتی کے جس کے روبرو کھُل جائیں ہیں کواڑ

گذری جس غم سے مجھے زندگیِ دہ روزہ ٭ رکھے اس غم کو خدا شہر محرم سے دور
عقل نیں ایکدن آکر یہ کہا سودا سے ٭ خواہ نزدیک ہمارے رہو خواہ ہم سے دور
لیکن اتنا ہی کہ وہ کام نہ کریو پیارے ٭ جس کا ثمرہ رکھے تم کو دلِ عالم سے دور

انکار قتل سے تو کرے ہی سجن ہنوز ٭ میلا نہیں ہوا ہی ہمارا کفن ہنوز

کس کے ہیں زیرِ زمیں دیدۂ نمناک ہنوز ٭ جابجا سوت ہیں پانی کے تہہِ خاک ہنوز

سودا کا تونے حال نہ دیکھا کہ کیا ہوا ٭ آئنہ لیکے آپ ہی کو دیکھے ہی ہنوز

ای لالہ گو فلک نے دے تجکو چار داغ ٭ چھاتی مری سراہ کہ لاک دل ہزار داغ

کون کہتا ہی مت اور دں سے ملا کر مجھ سے مل
جس کے ملنے میں خوشی تیری ہو مل پر مجھ سے مل

رنگِ گل نے طرح دیکھے ہی سُن ای ابر بہار
آشیاں میرا بھڑک لگتی ہی اب گلشن کو آگ

قاتل کے دل سے آہ نہ نکلی ہوس تمام ✦ ذرہ بھی ہم تڑپنے نہ پائے کہ بس تمام

تسلّی اس دیوانے کو نہ ہو جُھولوں کے تھروں سے
اگر سودا کو چھیڑا ہی تو لڑکو مول لو پھریاں

ظاہر میں دیکھنے کا کچھ اسباب ہی نہیں
آوے مگر تو خواب میں سو خواب بھی نہیں

مجکو نہیں ہی دل میں ترے راہ کیا کروں
پر نے اثر ہی عشق مرا آہ کیا کروں

کس کی ہیں یہ چمن میں صبا بدشرابیاں ÷ ٹوٹی پڑی ہیں غنچوں کی ساری گلابیاں

نہ پوج سنگ وگل ای شیخ اس صدا کو مان
مرے صنم کی پرستش کر آ خدا کو مان

نہ غنچہ گل کے کھلتے ہیں نہ نرگس کی کھلی کلیاں
چمن میں لیکے خمیازہ کنھی نین انکھڑیاں ملیاں

عاشق کی بھی کٹتی ہیں کیا خوب طرح راتیں
دو چار گھڑی رونا دو چار گھڑی باتیں

بلبل خاموش ہوں چو نقشِ دیوارِ چمن ÷ نہ قفس کے کام کا ہرگز نہ درکارِ چمن

نوک سے کانٹوں کے ٹپکے ہی لہو ای باغباں
کس دلِ آزردہ کے دامن کش ہیں خارِ چمن

جیوتک تو دیکھے لوں جو تو ہو کارگر کہیں ÷ ای آہ کیا کروں نہیں ملتا اثر کہیں

ہوتی نہیں ہی صبح نہ آتی ہی مجکو نیند
جس کو پکارتا ہوں سو کہتا ہی مر کہیں
جادو بھری ہیں چشم مت آئنہ کو تو دیکھ
دھڑکے ہی دل مرا کہ نہ ملجائے نظر کہیں

غیر کے پاس یہ اپنا ہی گماں ہی کہ نہیں + جلوہ گر یار مرا ورنہ کہاں ہی کہ نہیں
جرم ہی اُس کی جفا کا کہ وفا کی تقصیر + کوئی تو بولو میاں منھ میں زباں ہی کہ نہیں
دل کے ٹکڑوں کو بغل بیچ لیئے پھرتا ہوں + کچھ علاج اس کا بھی ای شیشہ گراں ہی کہ نہیں

اس دردِ دل سے موت ہو یا دل کو تاب ہو + قسمت میں جو لکھا ہی الٰہی شتاب ہو
اس کشمکش سے دام کے کیا کام تھا مجھے + ای الفتِ چمن ترا خانہ خراب ہو

بہارِ باغ ہو مینا ہو جام صہبا ہو + ہوائے ابر ہو ساقی ہو اور دنیا ہو
روا ہی کہتو بھلا ای سپہرِ نا انصاف + ریائے زہد چھپے رازِ عشق رسوا ہو
جو مہربان ہیں سودا کو مغتنم جانیں + سپاہی زادوں سے ملتا ہی دیکھیے کیا ہو

الٰہی ہی سکت نعم البدل کے تجکو دینے کی + مجھے اس کا عوض تو کچھ نہ دے پر پھیر لے دل کو

بوؤں میں تخمِ دل کو جہاں و ہاں تو مہو ✦ پاؤں جو عندلیب قفس میں تو بوم ہو
اپنے چمن کو فائدہ کیا تجھسے ای نسیم ✦ یہ جا ہی وہ کہ یہاں دم عیسیٰ سموم ہو

کعبہ کی زیارت کو ای شیخ میں پہنچونگا ✦ مستی سے مجھے بھولی جس دن رہِ میخانہ

مت ہنس مرے رونے پر آمان میں کہتا ہوں
ٹپکے ہی ابھی قطرہ اثر آلودہ

نسیم بھی ہی چمن میں اور اب صبا بھی ہی
ہماری خاک سے پوچھو تو کچھ رہا بھی ہی
قدم سنبھال کے رکھ خارِ دشت پر مجنوں
کہ اس نواح میں سودا برہنہ پا بھی ہی

سودا جہاں میں آکے کوئی کچھ نہ لیگیا ✦ جاتا ہوں ایک میں دلِ پر آرزو لیے

غیرتِ عشق آنکر سودا انو پروانوں سے سیکھ ✦ شمع سے اپنا ہی ملتا دیکھ جلجاتے ہیں وہ

کس قدر ابکے ہوا مست ہی ویرانہ کی ✤ کسی لڑکے کو نہیں سدھ کسی دیوانہ کی

سودا کو جرم عشق پہ کرتے ہیں آج قتل ✤ پہچانتا ہی تو یہ گنہگار کون ہی

بدلا ترے ستم کا کوئی تجھ سے کیا کرے ✤ اپنا ہی تو فریفتہ ہووے خدا کرے

اس سال کے نبھنے کا کچھ اسلوب نہیں ہی
یہ کج روشی ہم سے فلک خوب نہیں ہی

کہتا تھا بنا گوش تری زلف سے آگے
میں صبح قیامت ہوں مری شام یہی ہی

قاصد کے سنیں میں اپنے جو کچھ کہ روانگی ہی
جیتا پھرے تو جرت ورنہ یہ خوں بہا ہی

تیری گلی کی طرف اگر آتا کوئی نہیں ✤ میں آپ کو بلانے کروں خاک تو سہی

پہنچی نہ آہ تجھکو مرے حال کی خبر ٭ قاصد گیا تو اُن نے بھی اپنی ہی کچھ کہی

عشرت سے دو جہان کی یہ دل ہاتھ دھو سکے ٭ تیرے قدم کو چھوڑ سکے یہ نہ ہو سکے
جس سرزمین پہ جا کے روؤں تیری یاد میں ٭ دہقاں کچھ اُس زمین میں بجز داغ بو سکے

نہ ضرر کفر کو نہ دین کا نقصان مجھ سے ٭ باعثِ دشمنی اے گبر و مسلمان مجھ سے

آگیا رات کو جوں دزد حنا تیرے ہاتھ ٭ ورنہ جا پانوں کو لگا ہی تھا چوری چھپی

تجھ تیغ تلے کہہ تو رستم سے کہ سر دھر دے
پیارے یہ ہمیں سے ہو ہر کارے و ہر مردے

دل کے تئیں ایک عالم کہتا ہے خدا کا گھر ٭ اے عشق اسے آتش دے تو کچھ کر دے
کھلنے تو لگا ہے دل جوں غنچہ ہمارا بھی ٭ لیکن نہ صبا تجھ سے گاہے بدم سردے

سینہ کو زخموں کے نگہہ تیری توڑ دے ٭ آنکھوں کی ہر پلک صفِ محشر کو توڑ دے

مرجاں کا نخل ہوں نہ پھلوں گر کبھی بار سے ✦ نکلے ہمیشہ خون مری شاخسار سے

خنجر طلب ہی مرگ سے ہر آہوئے حرم ✦ دل پھر گیا ہی کس کی مژہ کا شکار سے

زاہد چلا ہی کعبہ کو اور برہمن کنشت ✦ بندہ ہیں اُس کے ہم جو کسی دل میں گھر کرے

جگ میں شراب خوار کی تشہیر کے لئے ✦ سودا جو محتسب ہو تو زاہد کو خر کرے

دولاب کی ہی جوں بطرف مستی سے فریاد ✦ پیمانہ کسی کے گلے کا ہار نہ ہووے

ہو دست خدائی میں تو یہ کیجئے فریاد ✦ ظالم ہو جو کوئی سو طرحدار نہ ہووے

کر ذبح شتابی مجھے صیّاد کہ یہ صید ✦ ہاتھوں ہی میں تیرے کہیں مردار نہ ہووے

میں کہتا ہوں دل اپنے سے کہ ننگ و نام سے گزرے

نہوں گر اس میں یہ باتیں تو کیا آرام سے گزرے

مومن نہیں زنّار سے میرے آگاہ ✦ اس رشتہ کو ہی بجہ اسلام میں راہ

اُس بت کا برہمن ہوں کہ صوفی یا شیخ ✦ کہتے ہیں جسے دیکھ کے اللہ اللہ

در منقبت جناب پاک مرتضوی صلوات اللہ علیہ گفتہ رباعی

ایوانِ عدالت میں تمھارے یا شاہ ✦ کچھ ظلم کو ہی دخل عیاذاً باللہ

شیشہ کا جو وہاں طاق سے پٹکے ہے پانوں ٭ پتّھر سے نکلتی ہے صدا بسم اللہ

محمد حسینؒ

کلیم تخلص از شاہجہان آباد است۔ مردے سپاہی پیشہ شاعر مقررے ریختہ۔ بوضع خود صاحبِ دیوان قصائد و مخمس و رباعی طرزش بطرزِ کسے مانا نیست۔ اکثر بزبانِ مرزا بیدل حرف میزند در فہم شعر نہ دارد اُو فکرِ عاجز سخنان پشت دست بر زمین میگذارد طبع روانِ اُو مانندِ سیلِ روانست و فکر رسایش آں سوئے آسمان بازوے نکرتش زورین کش کمانِ معنی را، شعر پیچدار پر تاثیر اُو تیرِ کاکل ربا۔ اگرچہ کلیم در فارسی گزشتہ است اما کلیم ریختہ پیشِ فقیرا نیست۔ قطع نظر ازانکہ بندہ را بخدمت او قرابتِ قریبہ است یک اخلاص تہ دلی دارم۔ و اکثر بحالِ ایں ہیچمدان شفقت میفرماید۔ حق تعالےٰ سلامت دارد۔ ازوست۔

آتی ہے دل پہ قلقلِ میناسے اب شکست ٭ وہ دن گئے کلیم کہ یہ شیشہ سنگ تھا

درازیِ شبِ ہجرانِ زلفِ یار کلیم ٭ نہ مجھ سے پوچھ کہ کاٹی ہے رات آنکھوں میں

ہو چکی حشر گئی دوزخ و جنت میں خلق ٭ دیکھنا ہیں ترے کوچہ میں گرفتار ہنوز

ہر تار پیچ زلف کے عالم کی جان ہی ٭ گویا یہ اژدہا تھا کہ سب کو نگل گیا
قربان اس اکڑ کے عجب یہ مروڑ ہی ٭ آشفتہ ہو گئیں پہ نہ زلفوں سے بل گیا

میں بانکپن سے تیرے نہیں ڈرنیکا رقیب ٭ گر دل میں ہی تو مجکو للکار دیکھنا

کیا رقیب پردہ در کے آج ہیں ما رے پیچ ٭ حلقۂ در کی نمط گھر سے اُسے بیروں کیا

نہ کچھ بُرا ہوا پرویز کا نہ شیریں کا ٭ ترے ہی سر پہ اے فرہاد جو ہوا سو ہوا

نشان مجھ دل کا مت پوچھو یہ مجنوں ٭ کہیں اُس طرف ویرانہ کے ہوگا

نقاب اپنے رُخ کا جو تو باز کرتا ٭ تو گل اپنی خوبی پہ کیا ناز کرتا
وفا کا ہوں پربستہ نہیں توڑ پنجرا ٭ چلا جاتا جنگل کو پرواز کرتا

تجھے برق خار سے کام کیا جو دیا ہی حق کو تو لطف گر ٭ یہ ازل کے دن سے نصیب ہی کف پائے آبلہ دار کا

لگا جب غیر سیتی ہم طبق ہونے وہ مہماں کش
وہ اپنے ہاتھ دھوتا تھا میں اپنے ہاتھ ملتا تھا

کیا ہوا زلف سے گرہ کھولی ٭ میرے سر کا تو یہ گرہ نہ گیا

قبر میں بھی لیے ہمراہ گیا اپنے کلیم ٭ آہ کیوں دردِ دل اپنا نہ کسو کو سونپا

وہی ایک ہی جوان دونوں گھروں میں خلق ڈھونڈھے
پس ای زاہد اگر مسجد سے بت خانہ ہوا تو کیا

سر بھی ہی تیغ بھی ہی لگانا ہی تو لگا
کیوں نہ جان پھر کے کہ یہ جیو چھپا گیا

تجھ بغیر عجب میرا رنگ تھا ٭ روشن تھی شمع آہ دل اس پر پتنگ تھا

زبانِ موج سے یوں بحر کہتا تھا حبابوں سے
کہ اپنا سر ہی کھاتا ہی جہاں میں جنے سر کھینچا

ای شمع تیری باری ہی شب کو کہ شام تک
اپنے دِنوں کو جتنا ہیں رونا تھا رو چکا

عمرِ رفتہ کا نہ پایا کھوج ہر گز ای کلیم
آپ کو جوں شمع ہیں ہر انجمن میں گم کیا

تو نہ آیا باغ میں شمشاد غم سے خم ہوا ٭ طوق قمری کا فغاں سے حلقۂ ماتم ہوا
کس پریشاں نیں قدم رکھا ہی پیچ و تاب سے ٭ جادہ آتا ہی نظر جوں زلف کچھ برہم ہوا
وہ نازک تن لطافت سے کسی کو نہیں نظر آتا ٭ مقرر ایک جا تو ہی نہ کیا جانے کہاں ہو گا

چھپا ہی آ مری چشم پُر آب میں دریا ٭ کہیں کبھی دیکھا ہی ایک حباب میں دریا

پاسِ ناموسِ محبت ہی مجھے ازبس کلیم ٭ باغ میں جاؤں نہ ہر گز بے رضائے عندلیب

دنیا نہ کر جوانوں سے یہ بوڑھا چو چلا ٭ مدت سے ہم تو چھوڑ رہے پھر ہیں تجھے نپٹ

ہمیں تو پانوں پہ بھی سر کے ۔ کھنے کو نہ فرمایا
ملیں ہم خاک میں او بلے تر ادامان یا قسمت

رکھتا ہی زلفِ یار کا کوچہ ہزار پیچ ٭ ای دل سمجھ کے جائیو ہی راہ مار پیچ

برقِ نظّارہ سے از بسکہ جلا ہوں نکلے
نگہِ گرم جو کوئی ڈھونڈے میری خاکستر
لالہ و گل سے مجھے کام کیا میری وحشت
مجھ اوپر لائی ہی ایک رنگ سے رنگِ دیگر

زلف کو خواب میں دیکھا تھا جنوں سے شب کو
صبح بیدار ہوا پائی گلے میں زنجیر

بوسہ تو کچھ نہ تھا ای میری جان اس قدر
تسپر رہے ہو ہم سے برا مان اِس قدر

سوزِ غم کھا چکا ہی دل اُس پر جگر جلا ٭ کہتا ہی مجکو زخم ہی ایک آرزو ہنوز

جو صدا آتی ہی اُس وادی سے ہی سینہ خراش
یہ کوئی دل رُلتا جاتا ہی نہیں بانگِ جرس

ہم گم ہوئے ہیں ضعف سے جوں بو میانِ باغ
پھرتا ہے رنگِ گل کہ ہمارا کرے سُراغ
جوں کعبتین گھر میں مرے گل ہی ہے بساط
یک مشت استخوان ہوں اور شش جہت سے داغ

جو دینا تھا مانگے بغیر از دیا ہے ♦ کٹے وہ زبان جو کہ اس پہ ہو سائل
پوچھ مت غم کی داستاں اے دل ♦ کہ پڑا ٹوٹ آسماں اے دل

ہم سے پوچھو ہو پیتے ہو شراب ♦ ایسے کیا شیخ و پارسا ہیں ہم

تم جام اگر دو پیارے کیونکر کریں نہیں ہم ♦ خونِ جگر تھا تو بھی پی ہی گئے دو ہیں ہم
تو یار ملکے ہم سے جب ایک ہو گیا ہو ♦ کس کو بعید مانیں کس کو کہیں قریں ہم
تم ہو تو ہم کہاں ہیں ہم ہیں تو تم کہاں ہو ♦ یا تم ہی سب ہو ہم میں یا سب کے سب ہیں ہم

طریقِ عشق میں مجنوں و کوہ کن کو نہ کہہ ♦ ہزاروں ہو گئے غارت سوا یک و معلوم

مانندِ سرو ہوں کہ نہ گل ہے نہ بر مجھے ♦ بیکارِ باغ بود ہوں نہ سزاوارِ باغ ہوں

جب اصلِ مذاہب کو واعظ سیتی ہم پوچھا ❊ تب ہم سے لگا کہنے قصہ و حکایتیں

رنگ اوڑ اُمرجھا گیا اور جھڑ پڑا شرمندہ ہو ❊ تجھ سیتی گل پر ہوئی کیا کیا خرابی باغ میں

جمعہ کو کہتا تھا واعظ سے کھڑا رندِ مست ❊ کچھ نظر میں تیرے بھی سود و زیاں ہی کہ نہیں
یہ سخن ہی کہ نہ پی مے سو وہاں پہوے گا ❊ یہاں تو پی لیجئے کیا جانئے وہاں ہی کہ نہیں

نے اور طنبور میں یہ سوز تو معلوم ای مطرب
کسی کا دل ہوا ہی شائد اس پردہ میں نالان

کسی سے بھی نہ ملیے ایک گوشہ میں پڑے رہیے

تیر ہی یا سناں ہی تیری نگاہ ❊ ہو گئی پار مجھ جگر کے آہ

تیری جناب میں آیا ہوں یا اللہ نہ پوچھ ❊ یہی کہ بخش دے اور مجھسے کچھ گناہ نہ پوچھ

کوئی گل کا مثل عاشق نہیں ہی داغ مجھے بس ہیں ❊ جاتا ہوں میں گلشن سے بلبل نہ ہو اندوہ

اب دم شمردگی سے مجھے کاروبار ہی ٭ ہر دم مرے حساب میں وزِ شمار ہی

غرورِ حسن ممکن ہی نہیں کسی کی داد کو پہنچے ٭ غرض تم سُن چکے احوال ہم فریاد کو پہنچے

تو ای بارانِ رحمت اوج میں آ موج سے اپنے
کہ یک قطرہ میں میرے کشت کا بھی کام ہو جاوے

جہاں میں یہ میں نہیں جانتا کہاں تو ہی
پر اتنا جانتا ہوں سب تو ہی جہاں تو ہی

میں کہتا تھا ساقی ایاغ اب کہاں ہی ٭ بیٹھ دیر کے تئیں دماغ اب کہاں ہی

اُس کے ابرو کی اگر تصویر کھینچا چاہیے ٭ اول اپنے قتل پر شمشیر کھینچا چاہیے

گلرو تو چمن میں اچپلی سے نہ گیا ٭ یہ دل بھی کلی سے بیکلی سے نہ گیا
جو کوئی کہ گیا چھوڑ گیا دل کو یہاں ٭ کوئی دل سے تیری گلی سے نہ گیا

ہرچند لگائے ہیں بتان گل مہندی ٭ تیرے ہی قدم تلے گئے رُل مہندی
ہیہات ہیہات کیسا ہوگا وہ ہات ٭ جس ہاتھ سیتی داغ ہوئی گل مہندی

میانصاحب میاں خواجہ میر سلمہ اللہ تعالےٰ

المتخلص بدرد، جوشِ بہار گلستان سخن، عندلیبِ خوش خوانِ چمن این فن زبانِ گفتگویش گرہ کشائے زلفِ شام مدعا۔ مصرعِ نوشتنہ اش بر صفحۂ کاغذ از کاکلِ صبح خوشنما۔ طبع سخن پردازِ او سرو مآل چمنستانِ اندازست۔ گاہے در کوچۂ باغِ تلاش بطریقِ گل گشت قدم رنجہ میفرماید۔ در چمن شعرش لفظ رنگین چمن چمن۔ گلچین خیالِ اوراگلِ معنی دامن دامن۔ شاعرِ زورآورِ ریختہ، درکمالِ علاقگی وارستہ، خلیق، متواضع، آشنائے درست۔ شعرِ فارسی ہم میگوید اما بیشتر رباعی۔ گرمیٔ بازار وسعتِ مشربِ اوست۔ غرض از آشنائی مطلبِ اوست۔ متوطن شاہجہان آباد۔ بزرگ و بزرگ زادہ، جوانِ صالح۔ از درویشی بہرۂ وافی دارد۔ فقیر را بخدمتِ او بندگی خاص است۔ اگرچہ حسنِ سلوک عام

سرِحسن سلوک بپائے خود گرفتہ ، اعتزاز را از گوشۂ دل نہادہ
خلف الصدق حضرت خواجہ ناصر صاحب سلمہ اللہ تعالےٰ است
کہ مقتدائے عالم است۔ ایامے کہ فقیر بخدمتِ آں بزرگوار
شرف اندوز میشد ، از زبانِ مبارکش میفرمود : کہ میر
محمد تقی تو میر مجلس خواہی شد۔ الحمدللہ والمنتہ کہ حرف آں
سر سلسلۂ خدا پرستان موثر افتاد ، باطن آں خضرِ قافلۂ
اہلِ عرفاں کہ از ظاہرش ظاہر ترست زود کار کرد۔ مجلس
ریختہ کہ بخانۂ بندہ بتاریخ پانزدہم ۱۵ ہر ماہ مقرر است و اللہ
بذاتِ ہمیں بزرگ است۔ زیرا کہ پیشِ ازیں ایں مجلس بخانۂ
مقرر بود۔ از گردشِ روزگار بیمار برہم خورد۔ از انکہ بایں
احقر اخلاص دلی داشت گفت کہ ایں مجمع را شما اگر بخانۂ
خود معین بکنید ، بہتر است۔ نظر بر اخلاص آں مشفق
عمل کردہ آمد۔ خدائش ابدالآباد سلامت دارد۔ از وست۔

کبھو خورشی بھی کیا ہی جیو کسی رندِ شرابی کا
بھڑادے منھ سے منھ ساقی ہمارا اور گلابی کا
بجھے شعلے بھی کتنے کتنی ہی موجیں مٹیں یارب
کبھو دل کی بھی ہوگا کام آخر اضطرابی کا

شرار و برق کی سی بھی نہیں یہاں فرصت ہستی
فلک نے ہم کو سونپا کام جو کچھ تھا شتابی کا
زمانہ کی نہ دیکھی جرعہ ریزی درد کچھ تو نیں
ملایا مثلِ مینا خاک میں خوں ہر شرابی کا

اکسیر پر مُھوس اتنا نہ ناز کرنا ٭ ہے کیمیا سے بہتر دل کا گداز کرنا
ہم جانتے نہیں ہیں اے درد کیا ہے کعبہ ٭ جیدھر پھریں وہ ابرو اودھر نماز کرنا

جگ میں آ کر اِدھر اُدھر دیکھا ٭ تو ہی آیا نظر جدھر دیکھا
جان سے ہو گئے بدن خالی ٭ جس طرف تو نیں آنکھ بھر دیکھا
نالہ فریاد آہ اور زاری ٭ آپ سے ہو سکا سو کر دیکھا
اُن لبوں نے نہ کی مسیحائی ٭ ہم نے سو سو طرح سے مر دیکھا

جگ میں کوئی نہ ٹک ہنسا ہوگا ٭ کہ نہ ہنسنے میں رو دیا ہوگا
دیکھیے غم سے اب کے جیو میرا ٭ نہ بچے گا بچے گا کیا ہوگا
دل کے پھر زخم تازہ ہوتے ہیں ٭ کہیں غنچہ کوئی کھلا ہوگا
قتل سے میرے وہ جو باز رہا ٭ کسی بدخواہ نے کہا ہوگا

دل بھی اے درد قطرۂ خون تھا ✦ آنسوؤں میں کہیں گرا ہوگا

عاشق بیدل ترا یہاں تک تو جیو سے سیر تھا
زندگی کا اُس کو جو دم تھا دم شمشیر تھا
کی تو تھی تاثیر آہِ آتشیں نے اُس کو بھی
جب تلک پہنچے ہی پہنچے خاک کا یہاں ڈھیر تھا
حرص کروائی ہے روبہ بازیاں سب ورنہ یہاں
اپنے اپنے بورے پر جو گدا تھا شیر تھا
شیخ کعبہ ہو کے پہنچا ہم کنشتِ دل میں ہو
دردؔ منزل ایک تھی ٹک راہ کا ہی پھیر تھا

اگر یوں ہی یہ دل ستاتا رہیگا ✦ تو اک دن مرا جیو ہی جاتا رہیگا
میں جاتا ہوں دل کو ترے پاس چھوڑے ✦ مری یاد تجھ کو دلاتا رہیگا
خفا ہو کے اے دردؔ مر تو چلا تو ✦ کہاں تک غم اپنا چھپاتا رہیگا

تو اپنے دل سے غیر کی الفت نہ کھو سکا ✦ میں چاہوں اور کو تو یہ مجھ سے نہ ہو سکا
گو نالہ نارسا ہو نہ ہو آہ میں اثر ✦ میں نیں تو درگزر نہ کی جو مجھ سے ہو سکا

جوں شمع روتے روتے ہی گذری تمام عمر ٭ تو بھی تو درد داغِ دل اپنا نہ دھو سکا
انداز وہ ہی سمجھے مری دل کی آہ کا ٭ زخمی جو کوئی ہوا ہو کسی کی نگاہ کا

دل اس مژہ سے رکھیو نہ تو چشم راستی ٭ ای نے خبر برا ہی یہ فرقہ سپاہ کا
شاہ و گدا سے اپنے تئیں کام کچھ نہیں ٭ نہ تاج کی ہوس نہ ارادہ کلاہ کا

تو ہی نہ اگر ملا کرے گا ٭ عاشق پھر جیوے کیا کرے گا

مژگاں تر ہوں یا رگِ تاک بریدہ ہوں ٭ جو کچھ کہ ہوں سو ہوں غرض آفت رسیدہ ہوں
کھینچے ہی دور آپ کو میری فروتنی ٭ افتادہ ہوں پہ سایۂ قدِ کشیدہ ہوں
ای درد جا چکا ہی مرا کام ضبط سے ٭ میں غمزدہ تو قطرۂ اشکِ چکیدہ ہوں

نہ ملئے یار سے تو دل کو کب آرام ہوتا ہی ٭ وگر ملئے تو مشکل ہی کہ وہ بدنام ہوتا ہی
یہ حسن و عشق مل سمجھیں گے یا آپس میں جو ہوگا ٭ پر ان دونوں کے الجھیڑے میں میرا کام ہوتا ہی

یارب سپہر اتنی تو اب در گزر کرے ٭ کوئی خانماں خراب کسو دل میں یا گھر کرے

نہ خانۂ خدا ہی نہ ہی یہ بتوں کا گھر ٭ رہتا ہی کون اس دلِ خانہ خراب میں

میں اور مجھ سے درد خریداری بتاں ❊ ہی ایک دل بساط میں سو کس حساب میں

ہم تجھ سے کس ہوس کی فلک جستجو کریں ❊ دل ہی نہیں رہا ہی جو کچھ آرزو کریں
مٹ جائیں ایکدم میں کثرت نمائیاں ❊ گر آئینہ کے سامنے ہم آکے ہو کریں
ہرچند آئنہ ہوں پر اتنا ہوں ناقبول ❊ منہ پھیر لے وہ جس کے مجھے رو برو کریں
تردامنی پہ شیخ ہماری نجا ابھی ❊ دامن نچوڑ دے تو فرشتے وضو کریں
ہی اپنی یہ صلاح کہ سب زاہدانِ شہر ❊ ای درد آکے بیعتِ دستِ سبو کریں

ہم نے کیا تھا یاد مجھے بھول کر کہیں ❊ پاتا نہیں ہوں تب سے میں اپنی خبر کہیں
آجائے ایسے جینے سے اپنا تو جیو تنگ ❊ جیتا رہیگا کب تلک ای خضر مر کہیں
مدت تلک جہان میں ہنستے پھرا کئے ❊ جیو میں ہی خوب روئیے اب بیٹھ کر کہیں
ایکدل سو وہ بھی ہو ہی چکا صرفِ داغ سب ❊ بہتا پھرے ہی خوں میں کہیں کا جگر کہیں
پوچھا میں درد سے کہ بتا تو سہی مجھے ❊ ای خانماں خراب ترا بھی ہی گھر کہیں
کہنے لگا مکانِ معین فقیر کو ❊ لازم ہی کیا کہ ایک ہی جاگہ ہو ہر کہیں
درویش ہر کجا کہ شب آمد سرائے اوست ❊ تونیں سُنا نہیں ہی یہ مصرع مگر کہیں

مست ہوں پیر مغاں کیا مجکو فرماتا ہی تو ❊ پائے بوسِ خُم کروں یا دست بوسیِ سبو

ٹالدیناُاُس کو نت ہر طرح جوں قبلہ نما ٭ پھر مجھے ہر پھر کے آ رہنا اُسی کے رُوبرو

ربط ہی ناز بتاں کو تو مری جان کے ساتھ ٭ جی ہی وابستہ مرا اُن کی ہر اک آن کے ساتھ

اپنے ہاتوں ہی سے میں زور کا دیوانہ ہوں ٭ رات دن کشتی ہی رہتی ہی گریبان کے ساتھ

گر مسیحا نفسی ہی یہ ہی مُضطرب تو خیر ٭ جیو ہی جاتے ہیں چلے تیری ہر اک تان کے ساتھ

جی کی جی میں رہی کچھ بات نہ ہونے پائی ٭ ایک بھی اُس سے ملاقات نہ ہونے پائی

دید و وادید تو ہوئی دور سے میری اُسکی ٭ پر جو میں چاہوں تھا وہ بات نہ ہونے پائی

اٹھ چلے شیخ جیو تم مجلس رندان سے شتاب ٭ ق ٭ ہم سے کچھ خوب مدارات نہ ہونے پائی

جی میں مرکوز جو تھی آپ کی خدمتگاری ٭ سو تو اے قبلۂ حاجات نہ ہونے پائی

فرصتِ زندگی بہت کم ہی ٭ مغتنم ہی یہ دید جو دم ہی

دین و دنیا میں تو ہی ظاہر ہی ٭ دُونوں عالم کا ایک عالم ہی

اپنے نزدیک باغ میں تجھ بن ٭ جو شجر ہی سو نخلِ ماتم ہی

درد کا حال کچھ نہ پوچھو تم ٭ وہی رونا ہی نت وہی غم ہی

مرا جی ہی جب تک تری جستجو ہی ٭ زبان جب تلک ہی یہی گفتگو ہی

تمنا ہی تیری اگر ہی تمنا ٭ تیری آرزو ہی اگر آرزو ہی
غنیمت ہی یہ دید و وا دید یاراں ٭ جہاں آنکھ مند گئی نہ میں ہوں نہ تو ہی

روندے ہی نقشِ پا کی طرح خلق یہاں مجھے ٭ ای عمر رفتہ چھوڑ گئی تو کہاں مجھے
ای گل تو رخت باندھ اُٹھاؤں میں آشیاں ٭ گلچیں تجھے نہ دیکھ سکے باغباں مجھے
پتھر تلے کا ہاتھ ہی غفلت کے ہاتھ دل ٭ سنگِ گراں ہوئی ہی یہ خوابِ گراں مجھے

آنکھوں کی راہ ہر دم اب خوں ہی رواں ہی ٭ جو کچھ ہی دل میں میرے منہ پر مرے عیاں ہی
آہوں کی کشمکش میں کہیں دیکھیو نہ ٹوٹے ٭ تارِ نفس سے ای دل وابستہ میری جاں ہی
پیداِ خاکساری میں سر سے قطع کی ہی ٭ نقشِ جبیں ہی میرا ہر نقشِ پا جہاں ہی
مت موت کی تمنا ای دردؔ ہر گھڑی کر ٭ دنیا کو دیکھ تو بھی تو تو ابھی جواں ہی

کب ترا دیوانہ آوے قید میں تدبیر سے ٭ جوں صدا نکلا ہی جاے خانۂ زنجیر سے

دردؔ اپنے حال سے تجھے آگاہ کیا کرے ٭ جو سانس بھی نہ لے سکے سو آہ کیا کرے
فرسودگی ہے رشتۂ تسبیح کا حصول ٭ دل میں کسو کے آہ کوئی راہ کیا کرے
دل دے چکا ہوں اُس بتِ کافر کے ہاتھ میں ٭ اب حق میں میرے دیکھیے اللہ کیا کرے

ماہی سے کچھ نہ ہوئے بیان شصت کی خلش ∴ جو سانس بھی نہ لے سکے سو آہ کیا کرے

گر خاک مری سرمۂ ابصار نہووے ∴ تو کوئی نظر قابلِ دیدار نہ ہووے

پھر موت کسو طرح سے نزدیک نہ پھٹکے ∴ دنیا میں یہ جینے کا جو آزار نہ ہووے

گزرے نہ ترے سامنے سے کوئی گنہ بیں ∴ شیشہ کی طرح دل کی نگہ پار نہ ہووے

دل ویسے ستمگار سے اظہار محبت ∴ ایسا کہیں پھر دیکھیو زنہار نہ ہووے

دیکھ لوں گا میں کسے دیکھئے مرتے مرتے ∴ یا نکل جائیگا جی نالہ ہی کرتے کرتے

لا گلابی دے مجھے ساقی کہ یہاں مجلس ہی ∴ خالی ہوئی جاتی ہے پیمانہ کے بھرتے بھرتے

درد جوں نقشِ قدم تھا سرِ رہ اس کے ∴ مٹ گیا اور دل کی ہی پانوں کے دھرتے دھرتے

اپنے بندوں پہ جو کچھ چاہو سو بیداد کرو ∴ یہ نہ آ جائے کہیں جی میں کہ آزاد کرو

کوئی دم جو چپ رہا تھا میں جانا کہ مر گیا ∴ اے وائے درد تو نہیں پھر اب نالہ سر کیا

ساقی ہوائے ابر میں رو رو کے تجھ بغیر

وحدت نے ہر طرف تیرے جلوے دکھادے * پردہ تعینات کے جو تجھے اُٹھادے
یارب تجھے کیا خرام وہ جتنے ایک آن ہیں * کتنے ہی مردے حشر سے آگے جلادے
سیلابِ اشکِ گرم نے اعضا میرے تمام * اور درد کچھ بہادئے اور کچھ جلادے

میر سجّاد

از اکبر آباد است مردِ طالبِ علم مستعد، و شاعرِ خوب ریختہ شاگردِ میاں آبرو سجّاد تخلص میکند۔ بسیار آدمی خوبے است سخن او بپایۂ اوستادی رسیدہ۔ چنین خوشگو، و معنی یاب اگرچہ در بندِ لفظِ تازہ است، لیکن بر زبانِ خامۂ او خیلہائے معنی سپاہی میکند۔ لب و دہن بر کم لغلے نیست، کہ پیش او چوں کاغذ سفید بشود۔ فکرِ رنگینِ او چمن تلاش را سایۂ ابرِ بہارے، ہر مصرع بنازش را طرف لطف یا چنارے، ہر بیت بجز خفیفش برجگر نشتر زن زبانِ طاقت بیانش رگ سخن۔ بے انصافی امر علحدہ است وگرنہ تہ داری شعرِ سوختہ پیچدارش بموئے آتش دیدہ میماند۔ قبل ازیں بخانۂ او مجلسِ یارانِ ریختہ بشد۔ بندہ نیز میرفتم۔ اکنوں بسبب عوارضات

طرفین ربط گونہ ماندہ است۔ ازوست۔

کافرتبوں سے داد نہ چاہو کہ یہاں کوئی ÷ مرجا ستم سے ان کے تو کہتے ہیں حق ہوا

اگرچہ باطل باطل است، لیکن بجائے کافر کہ اول ہیئتِ مصرع واقع است باعتقاد فقیر لفظ باطل حق است۔

گر تیرے کل کے آنے میں کھوئے نہیں حواس

سجاد کیوں پھرے ہے سجن آج فق ہوا

ساقی بغیر جام کے جیو کا بچاؤ نہیں

جوں فیل مست آوے ہے ابر سیہ بلا

کیوں مشتِ گل بھی دل کی نہ رونے میں بہہ گئی

سجاد مجکو باقی ہے چشموں سے یہ گلا

غم نہیں گر گم ہوا بالوں میں تیرے جا کے دل

پیچ پر تجھ زلف کے گویا کہ اس کو بل دیا

تجکو اے سجاد غیر از خنجر بیداد کے

اور بھی کچھ ظالموں کی دوستی نے پھل دیا

جو دل ہے گلوں سے اٹکتا ہوا ÷ وہ کانٹا ہے جیو میں کھٹکتا ہوا

بتاں تو چاہتے سجدا د تجبکو ∴ کریں پر کیا خدا نہیں جو نچا ہا

آتشِ غم نے ہم کو سرد کیا ∴ دل پھپولا ہوا وہ درد کیا

تبوں کی بھی یہ یاد دو روز ہی ∴ ہمیشہ رہے نام اللہ کا

اب جلالے ٹک آن کر ساقی ∴ عمر کا بھر چکا ہی پیمانہ

عشق میں جائے گا کہیں مارا ∴ بیطرح دل ہوا ہی آوارا

مقبول اس جہاں کا ہرگز غنی نہ دیکھا ∴ راجہ وہی ہی جو کوئی یہاں سے گیا ہے رانا
سجاد کوئی دیکھے بیتابیاں تو دل کی ∴ ہی زندگی ہماری یہ موت کا نمونا

یار سے دل ملا وہ غیر ستی ∴ نہ دل اپنا ہوا نہ یار اپنا

لاوتے ہو میرے آگے کیا دوا ∴ خونِ دل اپنا پیوں میں یا دوا
دل میں تو خطرہ نہ لا ہرگز طبیب ∴ دیکھ کر میرے مرض کو لا دوا

جان و دل سے قبول ہی جانا ؛ ہر گلی میں تری ب مجھے آنا

میں نے جانا تھا قلمبند کریگا دو حرف ؛ شوق کے لکھنے کا سنجا د نے دفتر کھولا

بیٹھے اگر خوشی سے آکر چمن مین بلبل ؛ کریال میں غلیلا ایسا لگے کہ اُڑ جا

خط کتر واکے آج قینچی سے ؛ ہم سے ملنے میں جائے ہی کترا

تیری شمشیر سے جدا ہوکر ؛ سر مرا مجکو تن نہیں دیتا
کیا کرے پانو بھی کہ جنگل میں ؛ کچھ نہیں آبلوں سے چل سکتا

مرے دیکھ کر حال داماں کا ؛ پھٹے کیوں نہ سینہ گریبان کا

سب کی نظر سے گر کر اکیدم میں پست ہو چا ؛ گر میکشوں میں آوے اہل تو مست ہو چا

قاتل کی تیغ آگے جاتے ہیں ہم نہ ڈر کے ؛ ہرگز ہمارے دل میں سرکا نہیں ہی دھڑکا

شتابی پلادے کہ جاتا ہی ابر ٭ جو کچھ باقی ساقی رہی ہو شراب

سجاد مہرباں کرے کوئی اُس کو کس طرح ٭ غصہ ہوا ہی یار میں کچھ اندنوں غضب

چین دے ہی نہ چین لے ہی آپ ٭ دل ہوا ہی ہمارے جیو کچھ پاپ
کبھی منزل یہ ہوئی تھی پوری ٭ بہت اس راہ کو گئے ہیں ماپ

ہر کام کا اگرچہ ہوتا ہی سہل اوّل ٭ پر عشق کی ستم ہی کوئی ابتدا نہایت

ایک دکھ ہی عاشقی کے پنتھ میں ٭ پانوں کے نزدیک راہ دور دست

جلنے سے صدق دل کے سبب بچگیا خلیل ٭ وہ بات ہی کہ سانچ کو ہرگز نہیں ہی آنچ

دل آبادی میں تنہا کھینچ مت رنج ٭ کہ ویرانہ میں دیوانوں کا ہی گنج

بندہیں مت رہ دیوانے عقل کے ٭ گر گریباں چاک چھاتی کھول کر

غیروں کو جان خواب میں غفلت کے ڈال کر ؛ ایک ات آکے سو رہو ہم پاس آنکھ موندہ

مرگئے پر اگر نہیں آسیب ؛ کیوں یہ رکھتے ہیں قبر پر تعویذ

مت ہو نامہ عبث کو جا کاغذ ؛ اپنے اوپر نہ حرف لا کاغذ
یہ دھواں سا فلک ستاروں ساتھ ؛ ہی نظر میں بمیری جلا کاغذ
آسماں ایک رقعہ دار نہیں ؛ غم کے لکھنے کو ہی بڑا کاغذ

جتنے چمن کے بیچ بٹھائے ہیں نونہال
تعظیم تیری کرتے ہیں سب اُٹھ کے سرو قد

اس فصل گل میں جوش جنوں کا ہوا ہی قہر ؛ جنگل میں آ بھرا ہی نکل کر تمام شہر
ہوتی نہیں ہی سرد ہمارے یہ دل کی آگ ؛ لاگی ہی جس زمانہ سے جلتی ہی دیر دیر

سبھی جلتے تھے شمع و پروانہ ؛ رات یہ دن تھے اہل مجلس پر

کوئی گم گیا ہوگا زلفوں کی راہ ؛ بہت رکھتے ہیں اس سفر سے حذر

دیوانہ کا نہیں مطلب دیوانہ ٭ تو کیوں نامہ پہ ہو سطروں کی زنجیر

شوقِ جنوں میں تیری عوض خاک جیب کے ٭ نرگس چمن میں دیکھے ہے آنکھوں کو پھاڑ پھاڑ

لختِ جگر ہمارا پانوں کے ساتھ کھاکر ٭ کرتے ہو ہم سے باتیں اب تم چبا چبا کر

کھا گیا مجروح دل میرے کو داغ ٭ حال کیا کچھ گوشت کا کرتا ہے زاغ

میرے تمام حال کی تقریر ہے یہ زلف ٭ روزِ سیاہ و نالۂ شبگیر ہے یہ زلف

خاموش اس سبب ستی رہنا ہے بیشتر ٭ تنگ اس قدر ہے منھ کہ نکلتا نہیں ہے حرف

دور میں رخسار کے تیری کہیں انصاف نہیں ٭ خط چرا لیجائے دل کو اور باندھے جا زلف

جس خوبرو کے دل میں نہ عاشق سے ہو نفاق ٭ کہتے ہیں سارے اس کے تئیں حسنِ اتفاق

دل کو کبھی پیار دلاکر تو ادا ہے سجن ٭ لاگا نہیں گلے سے مرے آکے آج لگ

جب تک ترے بدن کو نہ عاشق بدن لگاے
لگتا نہیں ہی تب تیئں ہرگز کچھ اُس کے انگ
زلفوں کے جب اُلجھتے ہیں اُس ساتھ آکے بال
دیتا ہی شانہ عاجزی سے دانت تب نکال

گلی میں تری بیٹھتے ہی سجن ؛ اِن آنکھوں سے آتے ہیں آنسو نکل

تدبیر اور کچھ نہیں مجنوں کے حسب حال ؛ لیلےٰ کے والدین اُسے دیں شہر نکال

کیا جانتے تھے ہم سے مل کر کے اصل سے کل
ابکی بہار میں یوں ہوویں گے فصل سے گل

سجّاد فکر ہم نہ کریں کیونکہ شعر کی ؛ لگتے ہیں جاکے یار کے مُنہ سے سخن میں ہم

ایک دل رکھتا ہوں جو چاہے سو لیجاوے اُسے
خواہ زلفیں خواہ ابرو خواہ مژگاں خواہ چشم

پھیر جائیں خوبرو آنکھیں کریں ہیں جب بناؤ
دیکھے سرمہ کے تئیں ہو جاہیں ظالم سیاہ چشم

جب ہم آغوش یار ہوتے ہیں   سب مزے در کنار ہوتے ہیں

ناخدائی ملک ایک کر ساقی   ایک کشتی میں پار ہوتے ہیں
تیر دو ہیں کسی نشانے پر   میرے سینہ کے پار ہوتے ہیں

اتنو ہم نے کیا گریباں چاک ÷ تیرے دامن کو کس طرح چھوڑیں

برابر اپنے سجن بندگی کے کاموں میں
نہیں میں دیکھنا صاحب کے کوئی غلاموں میں

کس طرح کوہ کن پہ گزرینگی   ہجر کی یہ پہاڑ سی راتیں
از مصنف ہمچنیں ہردو مصرع شنیدہ شد۔
ہجر شیریں میں کیونکہ کاٹے گا ÷ کوہ کن یہ پہاڑ سی راتیں

ہیں شیشیاں شراب کی پیارے بھری ہوئیں
آنکھیں نشہ کے بیچ تمھاری گلابیاں

میں جو اُس کی گلی میں جاتا ہوں ÷ دل کو کچھ گم ہوا سا پاتا ہوں

سایہ میں ہم اس باغ کے ہر بلبل و گل ساتھ
مدت تئیں دیوار بدیوار رہے ہیں

دیکھوں طبیب درپئے دارو ہے کب تئیں
مرتا ہوں میں تو عشق میں جیتا ہوں جب تئیں

جو ایک دھج ہے ابروے خمدار میں ÷ کہاں پائی یہ ضرب تلوار میں

ہر سادہ رو مخطط ہونے کی دھن کچھ ہے ÷ لیکن کوئی نکالے تیرا سا خط تو لکھ دیں

جب کرے ہے تبسم دہن کلیاں ÷ منھ سے غنچہ کے پھول جھڑتے ہیں

تیغ تیری کے تلے دھر جائے سر * جان اتنا کوئی جی رکھتا نہیں

تیرے وحشی نگہہ سے جنگل میں * بھاگنے پر غزال بیٹھے ہیں

دونوں طرف جو منھ پہ ہیں موجیں سی ماریاں
کھریا ہیں میرے شوق کی زلفیں تمھاریاں

صیتِ شراب مرا ہوا ہی بلند * شاعروں کو کہو کہ فکر کریں

لبِ شیریں پہ اُس کے مرتا ہوں * زندگی اپنی تلخ کرتا ہوں

یہ سجاد کے دل کے جلنے کی قدر * نہیں بوجھتی شمع اُس کو بجھا دو

میرا جلا ہوا دل مژگاں نے کب ہی لا یت
اس آبلہ کو کیوں تم کانٹوں میں اینچتے ہو

ہر چند در مثل تصرف جائز نیست۔ زیرا کہ مثل اینچنیں است (کہ کیوں کانٹوں میں گھسیٹتے ہو) لیکن چوں شاعر را قادرِ سخن یافتم

معاف داشتم۔

دیکھ مہندی لگی اُن ہاتوں کو
پھول آکر لگے ہیں پانوں کو

تو روز وصل کے بیٹھے ہو پاس کِن کِن کو لئے
یہ راتیں ہجر کی کاٹی تھیں ہم اسی دن کو

چھاتی تھتے ہو کھلتے وسکی گانٹھ
زر ہو غنچہ کی طرح جس کی گانٹھ
سانپ کی طرح کنڈلی مارے ہو
زلف تیری ہو کوئی بِس کی گانٹھ

نہ جوں زلف تیرہ ہو ہر دل کی آہ　　نصیبوں سے لمتے ہیں بختِ سیاہ
تیری آنکھوں تلے اندھیرا ہو　　پتلیاں یہ نہیں بنیں ہیں سیاہ

دل جیسے خط کے سبزے میں کھلیاں ہو گئے
پڑتے ہیں ایسے جنگ میں بھی کھیت گاہ گاہ

شرمندہ ہوگئی ہے تیرے منھ سے آرسی
اب پھر کے روبرو ترے ہرگز وہ آئنہ

یار کا جامہ نہیں ہے گا عزیز   یوسف اپنا پیرہن تہہ کر رکھے

رات اُس زلف کا وہ افسانہ   قصّہ کوتہ بڑی کہانی ہے
آینے ہے خدا سے پیری میں   بُت پرستی ہے اور جوانی ہے

جو کوئی گرا سو آخر تحت الثریٰ کو پہنچا   ظالم کے گھر کی گلیاں کچھ کم نہیں کنوئیں سے

بے تکلّف ہو سبھوں سے وہ ملے ہے سجّاد   دخترِ رز بھی عجب طرح کی مستانی ہے

اگر شعر من میبو دبیش مصرعِ انیقسم میگفتم   بے تکلف ہو بیٹھ سر پہ چڑھے ہے سجاد

ہاتھ ہی میں رہے ہے طفلوں کے   یہ تماشے کا دل کھلونا ہے

ٹک اس کی کان دھر کر تم سُنو لی   پُرانے دردمندوں کی ہے یہ لَے

عشق کی ناؤ پار کیا ہووے ٭ جو یہ کشتی تر ہی تو بس ڈوبے
ہمہ شعر سبحان اللہ۔ لیکن فقیر را از دیدن این شعر تواجد
دست بہم میدہد۔ از بسکہ از خواندنِ این شعر حظّے بر میدارم۔
میخواہم کہ بصد جا بنویسیم۔

تمھیں غیر سے صحبت اب آہنی ٭ اُسے دوستی ہم سے ہی دشمنی

بتوں کے تئیں کس قدر مانتا ہی ٭ یہ کافر مرا دل خدا جانتا ہی

جب تک نہیں پہنچے تیرے آستاں تلک ٭ تب تک ہماری خاک کی مٹی خراب ہی

کچھ یہ سجّاد کے جیو پہ ہی عجب حالت ہی ٭ ورنہ دیکھے ہیں میں اس درد کے بیمار کئی

ای صنم زنار پہنے تجھ وفا کے واسطے ٭ ورنہ کوئی کافر نہیں ہوتا خدا کیواسطے

عاشقوں کا صنم لہو پی پی ٭ دم بدم تیری تیغ اُوگلے ہی

ماہرو بن یہ شمع محفل میں ٭ جیسی روشن ہی سب پہ روشن ہی

سپہر واری اس کی کسی سے نہ ہو ٭ بہ ابرو ترے ننگی شمشیر ہے

پانوں جنگل میں دھرنے دیتے نہیں ٭ کیا پھپولوں نیں سرا وٹھایا ہے

ہرگز آنے نہ دینگے غیروں کو ٭ جان ہر چند ہم گئے ہونگے

میر محتشم علیخاں

حشمت تخلص سید صحیح النسب بود۔ سپاہی عمدہ روزگار شاعر خوب فارسی و ریختہ فہمیدہ، سنجیدہ، باہمہ بعجز و انکسار پیش می آید۔ جنست بود، کہ در دل ہمہ کس جائے او خالیست از خاکِ پاک دہلی بود در مغل پورہ سکونت داشت۔ برادرِ کلانِ اُو کہ میر ولایت اللہ خاں باشد از مغتنماتِ روزگار است۔ دیر لیست کہ ترک روزگار کردہ خانہ نشین است۔ گاہے فکرِ شعر ہم میکند۔ بر فقیر شفقت و عنایت بسیارے میکند خدا در حفظِ خودش نگاہ دارد۔ وآں مرد از نامردیٔ روزگارِ ناہنجار فوراً فوت شد۔ خداش بیا مرزد از حشمت است۔

نکہتِ گل نیں جگایا کسے زنداں کے بیچ ٭ پھیر زنجیر کی جھنکار پڑی کان کے بیچ

بہار آئی دیوانہ کی خبر لو ٭ اگر زنجیر کرنا ہے تو کر لو

کرم اللہ خاں درد

ہمشیرزادہ نواب عمدۃ الملک امیرخاں بہادر است۔ بسیار خوش فکر، و عاشقِ سخن، خالی از دردمندی نیست۔ خوب میگوید، و خوب مے فہمد۔ بندہ بخدمتِ او رفتہ یک ملاقات کردہ ام۔ طبع شور انگیزے دارد، مردِ خوشمست۔ خدایش زندہ دارد۔ از دست۔

میرے سینہ میں ہر یک سانس ہو کر پھانس کسکے ہے
خلش دل کی نکل جاوے تو کیا آرام ہو جاوے

سامنے ہوتے ہی پھر نعش نہ پائی دل کی ٭ بٹ گیا نوکِ سناں پر صفِ مژگاں کے بیچ

اشرف علی خاں

فغاں تخلص کوکۂ بادشاہ احمد شاہ، داخلِ ذیل نیمچہ امرایان ہست بسیار جوانِ قابل، و ہنگامہ آرا، شعر ریختہ را بخوبی میگوید۔ گاہے فکر غزل فارسی ہم میکند۔ شاگردِ غزل باش خانِ مرحوم است دریں ایام طبع او مائل لطیفہ بسیار است۔ چنانچہ ناگرمل را کہ دیوانِ تن و دخیل بادشاہیست۔ گھی کی منڈی کہ سانڈ گفتہ۔ ہرکہ دیدہ دیدہ باشد، و فہمیدہ باشد۔ و حکیم معصوم را در دربار معلے گاؤ گجراتی نام کردہ۔ ہرکہ حکیم صاحب را بیند داند بندہ بخدمت او بسیار مربوطم۔ ازوست۔

ساقی نہیں یہاں آپ سے کچھ چشم تر آیا
دل دیکھتے ہی ابر کے ناچار بھر آیا
آوازہ پریشانِ و شکستہ دل بدنام
سنتے تھے فغاں جس کو سو آج ہی نظر آیا

شکوہ تو کیوں کرے ہے مرے اشک سرخ کا ٭ کب آستین تری مرے لوہو سے بھر گئی

این شعر را مرزا رفیع در غزلِ خود قطعہ کردہ است۔ و

چہ خوب کردہ۔

شیخ محمد حاتم

حاتم تخلص از شاہجہان آباد است۔ میگوید۔ کہ من بامبان آبرو ہمطرح بودم مروّیت جاہل و متمکّن و مقطع وضع، دیرآشنا غنا ندارد۔ دریافتہ نمیشود کہ ایں رگِ کہن بسببِ شاعری است۔ کہ ہیچو من دیگرے نیست۔ یا وضع او ہمین است۔ خوب است مارا باینہا چہ کار۔ شعر بسیار دارد۔ دیوانش تا ردیف میم بدست آمدہ بود۔ و پارہ اشعارِ آں نگاشتہ میشوند۔ بامن ہم آشنائے بیگانہ است۔ ازوست۔

مثال بحر موجیں مارتا ہے لیا ہے جن نے اس جگ سے کنارا

آزاد کو بھلا ہے رہنا جہاں میں ننگا ہیگا لباسیوں میں جن نے لباس رنگا

پانو مت دھر بوالہوس بحرِ عمیقِ عشق میں
جان کرڈو با ہے یہاں انجان جو اکر تِرا

نال کی سی طرح چاہے تھا کہ بالادے مجھے
مدعی آخر کو اپنے زور میں آپ ہی گرا

آبِ حیات جا کے کسو نیں پیا تو کیا　　مانند خضر جگ میں اکیلا جیا تو کیا

ہجر میں زندگی سے مرگ بھلی　　کہ کہے سب جہاں وصال ہوا
تو نہیں تو کنج تنہائی میں ہے　　بوریا کا نقش ہم پہلو مرا
ہر قدم پر سرد پانی ہو بہے　　جو چلے وہ قامتِ دلجو مرا
حاتم بیکس کا تجھ بن کون ہے　　کون ہوگا جو نہ ہوگا تو مرا

ہائے نے درد سے ملا کیوں تھا　　آگے آیا میر کے کیا میرا
اگر شعر من میبود۔ اینچنیں میگفتم۔
مبتلا آتشک میں ہوں اب میں　　آگے آیا میر کے کیا میرا
پیش گرمیِ ایں مصرع خنکیِ آں شعر روشن است۔
لیا اُس گلبدن کا ہم نے بوسہ　　تو کیا چوماں۔ قیبوں نے ہمارا

شاید عمل کیا ہے رقیبوں کی بات پر　　تب تو دلوں کا چور رہے ہے چھپا ہوا

نظر آتا تھا بکری سا لیا پر ذبح شیریں کو ٭ نجانا میں کہ یہ قصاب کا رکھتا ہے دل گردا

ان دنوں میں دیکھ کر ہم کو اپھرتے ہیں رقیب ٭ پیٹ ہی ان کا بھرا کل پرسوں تھے مرتے ہیں رقیب

وصف آنکھوں کا لکھا ہم نے گلِ بادام پر ٭ کرکے نرگس کی قلم اور چشمِ آہو کی دوات

چھین لیتے ہیں مرے دل کو نگاہوں کے بیچ ٭ حسن رہزن ہے یہ پنجاب کی اہلوں کے بیچ

ایک دن ہاتھ لگا یا تھا ترے دامن کو ٭ اب تلک سر ہے خجالت سے گریبان کے بیچ

گر عدو میری بدی کرتا ہے خاص و عام میں ٭ میں اُسے رسوا کرونگا باندھ کے دیوان کے بیچ

شعر خوبست۔ لیکن لطیفۂ متبدلِ شنیدہ است۔ کہ او در دیوان بادشاہی گفتہ بود بر روئے امیرے کہ نامش از خاطر رفتہ است۔ در دیوانِ صاحب رسوا شدم۔ صاحب ہم عزتِ خود در دیوان من خواہند دید۔

کوئی دیتا نہیں ہے دادِ بیداد ٭ کوئی سنتا نہیں نہ یاد فریاد

سجن نے یاد کر نامہ لکھا اور ہم رہے غافل ٭ بجا ہی معذرت لکھنا ہمیں کاغذ خطائی پر

آج نرگس کا قلم کرکے سجن لکھتا ہوں ٭ وصف آنکھوں کا ترے کاغذ بادامی پر

جب سوں تری نظر پڑی ہے جھلک ٭ تب سوں لگتی نہیں پلک سے پلک

دیکھو طور اس دور کا حاتم نیں کی ترک شراب
یاد کر کر سبز رویاں کو وہ اب پیتا ہی بھنگ

در لفظ سبز رویان تامل کردن ضرور است۔ زیرا کہ آشنائے گوش این ہیچمدان نیست۔

خاص سجن کا ملنا بن سکھ ہی عاشقوں کو ٭ گاڑھے رقیب سارے مرتے ہیں اہل اہل

دلوں کی راہ خطرناک ہو گئی آیا ٭ کہ چند روز سے موقوف ہی سلام و پیام

مارا ہی سنگ دل میں دکھا مجکو رنگِ سرخ
تعویذ مجھ ہزار کا لازم ہے سنگِ سرخ

یکرو

یکرو تخلص مردے بود، شاگردِ میاں آبرو، براحوالش اطلاع ندارم مگر دوسہ مرتبہ در مجالسِ ریختہ دیدہ ام باآنکہ ہیچمدانِ فنِ ریختہ بود۔ ولیکن خود را خود ہمہ داں میشمرد۔ ازوست۔

دل پر مرے ہیں داغ ترے ہجر کے لئے
گننے میں جن کے عمر میری سب گزر گئی

میاں صلاح الدین عرف مکھّن

پاک باز تخلص شخصے است گوشہ نشین شاگردِ میاں یکرنگ کہ احوالش نوشتہ آمد۔ بسیار کم اختلاط گویا آشنا شدن را نمیداند۔ پسرِ میاں شاہ کمال، نبیرۂ شاہ جلال قدس سرّہ است۔ اکثر بورد و وظائف مشغول می باشد۔ در مجمع شاعران ریختہ بتاریخِ پانزدہم ہر ماہ قرار یافتہ است، اگر دماغ وفا میکند تشریف می آرد۔ مزاجش خالی از وحشت نیست ازوست

جلوے تمھارے حسن کے نت ہیں پہ ہم کہاں
تم تو سجن ہمیشہ ہو افسوس ہم نہیں

مجھے دردِ الم رہتا ہے نت گھیرے میانصاحب
خبر لیتے نہیں کیسے ہو تم میرے میانصاحب

محمد اسمٰعیل

بیتاب تخلص، مرد درویشے بود، شاگردِ میاں یکرنگ بسیار مربوط مضبوط الاحوال۔ دریں ایّام بخانہ جعفر علیخاں میرفت کہ از پشت اسپ بر افتاد۔ و دستش شکست۔ بیماری دو ماہ کشیدہ آخر از ہماں آزار مُرد۔ خداش مغفرت بکند۔ بافقیر نیز آشنا بودند۔ از وست۔

نہ ہوتا گر کسی سے آشنا دل ٭ تو کیا آرام سے رہتا مرا دل

تڑپ کر مرگئی بُلبل قفس میں ٭ پڑی تھی ہائے کس ظالم کے بس میں

انعام اللہ

یقین تخلص شاعرِ ریختہ صاحبِ دیوان، از بسکہ اشتہار دارد

محتاج بہ تعریف و توصیف نیست۔ تربیت کردۂ مرزا مظہر است۔ پدرش اظہرالدین خاں نام دارد۔ باجدّش در سرہند ملاقات کردہ بودم۔ بسیار آدمِ بامزہ یافتہ، بسلوک پیش آمدہ، و ضیافتِ فقیر کردہ تا دیر نشستہ صحبتِ مستوفی داشتم۔ شعر بطرز میگوید۔ آدم بہ سرِ مطلب۔ میاں یقینؔ را مردمان میگفتند، کہ مرزا مظہر اُورا شعر گفتہ میدہد و وارثِ شعرہائے ریختہ خود گردانید۔ از قبول کردنِ ایں معنیش بندہ را خندہ می آید، کہ ہمہ چیز بوارث میرسد الّا شعر۔ مثلاً کسے بر شعرِ پدرِ خود یا بر مضمونِ اُو متصرف شود، ہمہ کس اورا دزد خواہند گفت۔ تا بشعرِ اُستاد چہ رسد۔ القصّہ پر و پوچے چندے کہ یافتہ است کہ ما و شما نیز میتوانم یافت۔ ایں قدر بر خود چیدہ است، کہ رعونتِ فرعون پیشِ او پشت دست بر زمین میگذارد۔ بعد از ملاقات اینقدر خود معلوم شد، کہ ذایقۂ شعر فہمی مطلق ندارد۔ شاید از ہمیں راہ مردمان گمانِ ناموزونیت در حقِ او داشتہ باشند۔ جمعے بر ایں اتفاق دارند، کہ شاعریِ اُو خالی از نقص نیست۔ چرا کہ شاعر ایں قسم کم فہم نمیباشد۔ از شخصے منقول است کہ بخانۂ عطیۃ اللہ خاں

کہ پسر نواب عنایت اللہ خاں مرحوم باشد یقین تخلص بود.
و میگفت، ازاں روزیکہ مرزا دست استادی در سرِ من
داشتہ است، شعر من ترقی کردہ۔ شخص مذکور ایں مصرع
نظامی پیش حضّارِ مجلس باواز بلند خواند۔ مصرع، شد آں
مرغ کو خایہ زریں نہاد۔ حاصل او را بیضہ در کلاہ شکست۔
میاں شہاب الدینِ ثاقب کہ احوالِ اُو نوشتہ خواہد شد
نقل میکرد۔ کہ من محض برائے امتحان بخانۂ اُو رفتم و یک
غزل طرح کردم۔ من غزل بالنصرام رسانیدم، و ازو مصرعے
موزوں نشدہ اللہ اعلم۔ میاں محمد حسین کلیم کہ احوالش گزشت۔
قصیدہ گفتہ است، مسمّٰے بہ روضۃ الشعرا درو نام تمام شعرا را
نقل کردہ، ازاں جملہ نامِ ایشاں را نیز آوردہ، لیکن بکنایۂ
غریبے کہ سخن فہم می فہمد واں اینست

یقین کے شعروں پر ہیں بدگماں بعضے کہ اس کے نہیں
غلط ہے ہم نے بوجھا ہیگا مرزا جانِ جاناں کو

نام مرزا جانِ جان است و شاعر جانِ جاناں لبستہ۔ چوں
اکثر عوامِ نامِ مرزا از غلطی جانِ جاناں میگویند، شاعر مذکور
نظر بر شہرت ہمچنیں موزوں کردہ۔ اگرچہ نمے بایست کہ گفتگوے ما

با خواص است ۔ در بزرگ زادگی و شرافت میاں یقین سخنے نیست ۔ از خانوادہ بزرگیست ۔ با بندہ ہم آشنائی سرسری دارد ۔ از دست ۔

دل میں زاہد کے جو جنّت کی ہوا کی ہے ہوس
کوچۂ یار میں کیا سایۂ دیوار نہ تھا

رُو اگر دیجیے اس کو بھی تو کچھ عیب نہیں
آئنہ سے بھی گیا گیا دلِ حیراں میرا

یقیں اُس کے دُرِ دندان کی باتیں جو کیا چاہے
صدف کی طرح دُھولے آبِ گوہر سے دہن اپنا

کیا بدن ہوگا کہ جس کے کھولتے جامہ کے بند
برگِ گل کی طرح ہر ناخن معطر ہوگیا

اگرچہ اکثر شاعران ریختہ را متبذل بند یافتہ ام متبدل میگویند ، و توارد می نامند ۔ گویا ایں شعرِ اُستاد درحقِ ایشان است

ہر چہ گویند نے محل گویند ٭ در توارد غزل غزل گویند
لیکن شعرِ یقین لفظاً لفظاً متبدل رائے انند رام مخلص ست
کہ گذشت۔ طرفہ تر اینکہ آنہم در سلیقۂ سرقہ یکہ بودہ است۔
خدا داند کہ ایں معنی در اصل از کیست شعر ایں است۔
ناخن تمام گشت معطر چو برگِ گل ٭ بند قبائے کیست کہ وا میکنیم ما
از یقین است۔

آنکھ سے نکلے پر آنسو کا خدا حافظ یقین
گھر سے جو باہر گیا لڑکا سو ابتر ہو گیا

یقین سوز و گداز اپنے کو گر اظہار میں کرتا
خدا شاہد ہے آتش کا بھی زہرہ آب ہو جاتا

اگر مرکر نہ میں اُس شوخ کی خاطر نشان کرتا
خدا جانے وفا میری کے حق میں کیا گماں کرتا
زباں فولاد کی ہو جب جوابِ کوہکن دیوے
ستم ہوتا اگر پرویز کو عشق امتحاں کرتا

کہتے ہیں کہ تسخیریں آئنہ کو آتی ہیں　　دل سے نہوا جو کام آئنہ سے کیا ہوگا

ندیتا عیش کی خسرو کو فرصت قصر شیریں میں
جو میں ہوتا تو جائے شیر جوئے خوں رواں کرتا

عاشق اور معشوق کی عالم سند کرتے ہیں سب
تجھے خونخواری کی طرز اور مجھے غم کھانیکی طرح

اب جو اڑ بیٹھیں قفس کے بام پر مقدور نہیں
حیف ہم ہلکے نہ بوجھی اپنے بال و پر کی قدر

کیا کروں مژگانِ تر کے ابر نے ڈالا ہے شور
آج بادل بطرح امنڈے ہیں یہ برسینگے زور
خال گورے مکھ کا لیتا ہے مرے دل کو چرا
اس نگر میں چاندنی راتوں کو بھی پھرتے ہیں چور

دل نہیں کھنچتا ہے بن مجنوں بیاباں کی طرف　　خوش نہیں آتا نظر کرنا غزالاں کی طرف

اِس ہوا میں رحم کر ساقی کہ بے جامِ شراب　　دیکھ کر چھاتی بھری آتی ہے باراں کی طرف

مجنوں کی خوش نصیبی کرتی ہے داغ مجکو　　کیا عیش کر گیا ہے ظالم دیوانہ پن میں

اگر بجائے خوش نصیبی خوش معاشی میگفت ، ایں شعر بسیار بامزہ می شد۔

خوبانِ یقیں کو معذور اتنا رکھو کہ اُسکے　　لوہو نہیں جگر میں آنسو نہیں نین میں

دوبارہ زندگی کرنا مصیبت اس کو کہتے ہیں
پھر اُٹھنا بید ماغوں کا قیامت اس کو کہتے ہیں

نہ گذرا ہوگا مجھسا کوئی رنگین یا وُلے پن میں
گریباں آ پڑا ہے پھٹ کے گل کی طرح دامن میں

یقیں سے جلتے بلتے کی خبر کیا پوچھ کر لوگے
پڑا ہوگا دیوانہ سوختہ سا کنجِ گلشن میں

کرتا ہے کوئی یارو اس وقت تیغ بیرِ پا　　مرتا ہے یہ دیوانہ اب کھول دو زنجیرِ پا

وہ ناخن ابروئے خوباں سے خوشنماتر ہے + کسو کے کام کی جس سے کوئی گرہ وا ہو

خواب میں کس طرح دیکھوں تجکو بیخوابی کے ساتھ
جمع آسایش کہاں ہوتی ہے بیتابی کیساتھ
مفت نہیں لیتے وفا کو شہر خوباں میں یقین
کس قدر لے قدر ہے یہ جنس نادانی کیساتھ

زنجیر میں زلفوں کے پھنس جانے کو کیا کہیے
کیا کام کیا دل نے دیوانے کو کیا کہیے

اگرچہ عشق میں آفت ہے اور بلا بھی ہے | نرا بُرا نہیں یہ شغل کچھ بھلا بھی ہے
اس آہ و آہ سے سودا اگر بجا ہے کہیں | یہ دل بھی آب رسیدہ ہے اور جلا بھی ہے
یہ کون ڈھب ہے سجن خاک میں ملانے کا | کسی کا دل کبھی پانوں تلے ملا بھی ہے

ایک پل بھی نہیں ٹھہرتا ہے آنسو کیطرح | اس دل بیتاب کو کوئی تسلی کیا کرے
وصل کی گرمی سے مجکو ضعف آتا ہے یقین | دیکھیے مجھ ساتھ خوبوں کے جدائی کیا کرے

اُس بسنتی پوش سے آغوش رنگیں کیجیے   جیو میں ہے اس مصرعِ موزوں کو تضمین کیجیے

مزے سے عشق کے دوزخ بھی اس فرقہ پہ جنت ہے
خدا ہمکو کرے محشور امت میں محبت کے

نہ نکلا کام کچھ اس صبر سے اب نالہ کرتا ہوں   میری فریاد ہی شاید مری فریاد کو پہنچے

دیوانہ ہوں میں اپنے جیو سے مجنوں کے سلیقہ کا
مزے لے لے کے مرنے کی طرح فرہاد کیا جانے

یار اگر منظور ہے دنیا و عقبیٰ سے گزر   منزلِ مقصود ہے دونوں جہانوں کے پرے

مجھے یہ بات خوش آئے ہی ایک مجنونِ عریاں سے
کیا کیجیے کہاں تک چاک ہم گزرے گریباں سے
فقیر نیز یک شعر دارد قریب ہمیں معنی و باعتقاد خود بمراتب
ازیں شعر بہتر میداند۔ اینست۔
چاک پر چاک ہوا جوں جوں سلایا ہم نے   اب گریبان ہی سے ہاتھ اُٹھایا ہم نے

ازیقین است

نہ دے برباد خارِ آشیاں کو عندلیباں کے

صبا تو بھی ہوا خواہوں میں ہے آخر گلستاں کے

ٹک ایک انصاف کر کرتا ہے اتنی بھی جفا کوئی

کرے گا بعد میرے کس توقع پر وفا کوئی

میاں شہاب الدین

ثاقب تخلص مردے درویشے است متوکل شاگردِ میاں آبرو اکنوں شعرِ خود را پیش خانصاحب سراج الدین علی خاں می آرد۔ از چندے بوطن خود رفتہ، کہ از مضافاتِ بارہہ است بافقیر آشنائی بسیار داشت۔ تحفۂ روزگار است۔ در ہمہ چیز دست دارد، وہیچ نمیداند۔ حاصل مردے خوبے است زندہ باشد۔ ازوست۔

ثاقب کی نعش اوپر قاتل نیں آکے پوچھا

یہ کون مر گیا ہے کس کا ہے یہ جنازا

مخفی نماند کہ احوالِ یکے ازیں شاعرانِ سمتِ دکن کہ پُر بے رتبہ اند۔ مگر بعض چنانچہ ولی و سید عبدالولی و سراج و آزاد کہ معاصرِ ولی بود سررشتہ مربوط گوئی بدست ایشاں یافتہ بیشود۔ باقی سرکلافہ داشتن، حرف زدن ہمہ ہا کم است۔ لہذا بر تخلص اکثر آنہا اکتفا کردہ نوشتہ آمد۔

ولی

شاعرِ ریختہ از خاکِ اورنگ آباد است۔ میگویند کہ در شاہجہان آباد دہلی نیز آمدہ بود۔ بخدمتِ میاں گلشن صاحب رفت۔ و از اشعارِ خود پارۂ خواند۔ میاںصاحب فرمود، ایں ہمہ مضامینِ فارسی کہ بیکار افتادہ اند، در ریختہ خود بکار ببر، از تو کہ محاسبہ خواہد گرفت۔ از کمالِ شہرت احتیاجِ تعریف ندارد۔ و احوالش کما ینبغی معلوم من نیست۔ از وست۔

نپوچھو عشق میں جوش و خروشِ دل کی ماہیت
برنگِ ابرِ دریا بار ہے رومال عاشق کا

اُس کے قدم کی خاک میں صد حشر ہے نجات
عشاق کے کفن میں رکھو اس عبیر کو

غرورِ حسن نے تجکو کیا ہے اس قدر سرکش
کہ خاطر میں نہ لاوے تو اگر تجھ گھر ولی آوے

خبرداری سے اُس معشوق کے کوچہ میں جا ای دل
کہ اطرافِ حرم میں ہے ہمیشہ ڈر حرامی کا

ای غنچہ نکر تو فخر یہ دل   تکمہ ہے سخن کی کمتری کا

دل چھوڑ کے یار کیونکے جاوے   زخمی ہے شکار کیونکے جاوے

دیکھ کر تجھ نگاہ کی شوخی   ہوش عاشق رم غزال ہوا

اور مجھ پاس کیا ہے دینے کو   دیکھ کر تجکو رو ہی دیتا ہوں

کیا غم ہے اُس کو گرمیِ خورشیدِ حشر سے
بختِ سیاہ جس کے سر اوپر ہے سایباں

مت راہ دے رقیبِ سیہ رو کو ایک بار
ڈرے ہزار بار بلائے مہیب سے

دشمنِ دیں کا دین دشمن ہے   راہزن کا چراغ رہزن ہے

آغوش میں آنے کی کہاں تاب ہے اُس کو   کرتی ہے نگہ جس قدِ نازک پہ گرانی

کہاں ہے آج یارب جلوۂ مستانہ ساقی   کہ دل سے تاب جی سے صبر سر سے ہوش لیجاوے

عالم میں ترے ہوش کی تعریف میں کی ہے   ایسا تو نکر کام کہ مجھ پر سخن آوے

سُن ولی رہنے کو دنیا میں مقامِ عاشق   کوچۂ زلف ہے یا گوشۂ تنہائی ہے

جلد چل طفلک عشق کی رہ میں کہ تا پہنچے کہیں   کاہلی کو رہ نہ دے سالک کہ منزل دور ہے

پہنچتا ہے یہ دل کو ہر جا گہ ٭ غم ترا روز سے مقدّر ہے

عجب کچھ لطف رکھتا ہی شبِ خلوت میں دلبر سے
سوال آہستہ آہستہ جواب آہستہ آہستہ

کیونکہ سیری ہو حسن سے تیرے ٭ دھوپ کھانے سے پیٹ بھرتا نہیں

ای جانِ ولی وعدہ دیدار کو اپنے ٭ ڈرتا ہوں مُبادا کہ فراموش کرے تو

گناہوں کی سیہ نامی سے کیا غم اُس پریشاں کو
جسے وہ زلف دست آویز ہو روزِ قیامت میں

سید عبدالولی سلمہ اللہ

عُزلت تخلص از سورت اند، خلف الصدق حضرت سید سعد اللہ قدس سرہٗ، سورتے کہ مستنبد عالمگیر بودند درویش وضع عالم فاضل بزرگ متوکل مشق شعر فارسی ہم کردہ اند لیکن

مزاجِ اوشاں میلانِ ریختہ بسیار دارد۔ تازہ وارد ہندستان که عبارت از شاہجہان آباد است شدہ اند، نسبتے تمام بسخن دارند۔ از اسالیبِ کلام شان واضح میگردد۔ کہ بہرہ بسیارے از دردمندی دارند۔ با ایں ہمہ کمال اینقدر وسعت مشرب بہم رسانیدہ اند کہ در ہر رنگ چوں آب می آمیزند بافقیر جو ششتہا میکنند۔ مردِ با استقامت اند خدا ایشانرا سلامت دارد از دوست۔

فقیروں سے نہ ہو بیرنگ لاالفصل ہولی میں
ترا جامہ گلابی ہے تو میرا خرقہ بھگّا ہے

جس خوش نگہہ کو بھول غفلت کی نیند لیوے
میں خفتہ بخت شب کا افسانہ ہو رہا ہوں

اُس کو پہنچی خبر کہ جیتا ہوں ٭ کسی دشمن سیتی سنا ہوگا

عزلت گماں یوں تھا کہ جلکر ہوا ہے راکھ
پھر دودِ آہِ دل میں مرا دیدہ تر کیا

بندے ہیں تیری چھب کے مہ سے جمال والے
سب گل سے گال والے سنبل سے بال والے

ای بلبل اتنی رو کے دعا ہر سحر تو مانگ
حق تیری آہِ سرد چمن کی ضیا کرے

نہ پوچھو یہ بگولہ ہے مرا ہم نول صحرا میں
یہ قبرِ حضرتِ مجنوں ہے ڈا لوا ڈول صحرا میں
بیاباں کے گلوں سے بوئے رنگِ رو آتی ہے
اری بلبل چمن سے دل اُٹھا آ بول صحرا میں

نخلِ امید بیوفاؤں سے ۔۔ دل سلامت پھرے تو پھل پایا

صحیح اپنا مرض الفت کا جب میں عرض کرتا ہوں
جلے دل کی تشفّی کو مجھے آنکھیں دکھاتا ہے

کیا گرم ہو دیتا ہی جوابِ خنک ای یار ۔۔ تاب اپنے دم سرد کی نہیں دلکو ہمارے

چینِ ابروے سجن ہیں میرا جیو اُلجھا ہے ٭ دل کھلے گر کبھی دونوں ہیں گِرہ پڑ جائے
دل میں رندوں کے پھیلا ہوا عمامہ شیخ ٭ یارب اس بزم سے یہ زہر کا ٹکڑا جاوے

سدھارے گل کہاں سونے پڑے ہیں گلستاں اپنے
گئی ہیں بلبلیں کیدھر جلا کر آشیاں اپنے

نپوچھو یہ کہ کیفِ چشم پہ سرمہ نے گھیری ہے ٭ گریباں گیر ظالم کی سجن فریاد میری ہے

تجھ قبا پر گلاب کا بوٹا ٭ دلِ بلبل گویا ابھی ٹوٹا

بجز رفاقت تنہائی آسرا نہ رہا ٭ سوائے بیکسی اب اور آشنا نہ رہا

آزاد تخلص

ہمعصر ولی بود۔ بسیار بصفا حرف میزد از دست۔

آئیں جہاں کی ساری آزاد صفتیں۔ پہ
جس سے کہ یار ملتا ایسا ہنر نہ آیا

سراج تخلص

در اورنگ آباد شنیده میشود۔ شاگرد شاگرد سید حمزہ۔ ہمیں قدر از بیاض سید مسطور مستفاد میگردد۔ سخنِ او خالی از مزہ نیست ازوست

تم پر فدا ہیں سارے حسن و جمال والے
کیا خط و خال والے کیا صاف گال والے

پی بن مجھ آنسوؤں کے شراروں کی کیا کمی
جس رات نہیں چاند ستاروں کی کیا کمی

نہیں ہے تاب مجھے سامنے ترے جاناں کہاں سراج کہاں آفتاب عالمتاب

رفوگر کو کہاں طاقت کہ زخم عشق کوٹانکے
اگر دیکھے مرا سینہ رفو چکر میں آجاوے

شعلہ خوجب سے نظر آتا نہیں + لوٹتا ہے تب سے انگاروں پہ دل

عجب وہ سروِ گلزار اداخوشقد ہوا واقع ⁂ پہ بلبل نہال گل کو دستار دہ ہوا واقع

ہائے رہ گئی دل میں دامنگیریوں کی آرزو
سبزۂ تربت مرا ہے پنجہ گیرا ہنوز

نہیں حقیقت میں حُسن و عشق جدا ⁂ طوق قمری سے ہے طرۂ شمشاد

مدت سے گم ہوا دل ہرگیا نہ اے سراج ⁂ شاید کہ جا پڑا ہے کسی آشنا کے ہات

شکر للہ ان دنوں تیرا کرم ہونے لگا ⁂ شیوۂ جور و ستم فی الجملہ کم ہونے لگا

نہیں ہوا اُس شمع رو کے عشق میں داغ ایک سراج
ہیں وہ حسنِ آتشیں کے ایسے پروانے کئی

عارف علی خاں

عاجز تخلص - وہ دوازدہ سال شدہ باشد کہ در شاہجہان آباد

تشریف داشت - بندہ شورِ او شنیدہ بودم - از چندیں بسمتِ دکن رفتہ - اکنوں از زبان سید مذکور بوضوح می پیوندد کہ در برہانپور است - دیگر بر حسب و نسبش اطلاع ندارم زبانش بزبانِ او باشان است - اکثر ریختہ در بحر کبت میگوید ازوست -

مینہ کے برسنے کی باد چلی ہے اب انکھوں سے جان بن آنسو چلینگے
درد کے نیاں کے گوہرِ غلطاں تو مٹی میں کنکروں سے آہ رُلینگے
تختِ جنوں مرا وحشی دیوانوں نے سر پر اُٹھائے ہیں شور وں سے عاجز
اب میاں مجنوں ببولوں کی مورچھلوں کو خرابی سین آپ ہی جھلینگے

ازوست -

ہوئے دیدار کے طالب خودی سے خود گذر نکلے
نپائی راہ دانش میں خردشاں تے خبر نکلے
نشانِ بے نشاں ہم ملک یکرنگی میں پاتے ہیں
خبر چھوڑی دوئی کی ہم نے جب سے ست نگر نکلے

پھرے دو نیں کے چھکلاں صبوری ساتھ نے توشہ
کمر ہمت سے باندھے ہو پرت کی پاٹ پر نکلے

نیں لے ہاتھ میں کھپّرے پھریں درسن کی بھکیاں کو
نپائی ایک در پر بھی بھکاری در بدر نکلے
رہے نادر خیالاں میں سلے شوریدہ حالاں ہیں
ہوئے صاحب کمالاں ہیں کدھر سے آ کدھر نکلے

از قاسم مرزا است - اوہم ہمیں غزل گفتہ است - معلوم نیست که کجائی بود -

گلے میں سر کی لٹ سیلی سوال ہے خال کا دانا
ہوئے جوگی تو کیا یاں واں جدھر نکلے تدھر نکلے

از شعوری جالاپوری است

برسات میں نہ دیکھا نظر بھر کر آفتاب
روشن ہے یہ کہ عاشق ہوا تجھ پر آفتاب

فضلی

فضلی راست ، مثنوی اینهم یک نظر دیده ام۔ شاعر خوبے نبود۔

رکھا ہوں نیم جاں جاناں تصدق تجھ پہ کرنے کو
کیاسب تن کو ہیں درپن اجھوں درسن نہائے ہوں

صبائی احمد آبادی

ربط بین المصرعین این شعر سبحان اللہ عجیب ربط چسپانی است۔ کہ مطلق معلوم نمی شود۔ کہ چہ میگوید۔ و چہ ارادہ کردہ است۔ صبائی احمد آبادی ست۔

زر سے ہے آشنائی زر سے ملے ہر بھائی
زر نہیں تو ہے جدائی دنیا جو ہے سوزر ہے

محمود

محمود راست۔

لوگاں کہیں پتھر سے کچھ سخت نہیں لیکن
جو کوئی پیا سے بچھڑا وہ سخت ہے زیادہ پتھر سے

محمود تجھ میں دستا پورا ہنر وفا کا ٭ ہر کیا عجب جو بھاوے تو پیو کو اس ہنر سے

سالک

از سالک است۔

پھروں بیہوش ہو کر میں برہنہ پا بدل تیری
یقیں پوچھوں تمن پیارے کہ سالک کوں بھایا ہے

ملک

ملک راست

تن من فدا کروں اس ہشیار ساقی اوپر
یک قطرہ مے چکھا کر جن نے خبر کیا ہے

لطفی

لطفی راست۔

تجھ عشق کی اگن سے شعلہ ہو جل اُٹھا جیو
دل موم کے نمونے کل کل پگھل گیا ہے

جیو کا چمن جلا سو جلتی انگار لیکر
اُکلا کے آگ دینے ٹیسو جنگل گیا ہے

ہیں عشق کی گلی ہیں گھائل پڑا تھا اُس پر
جوبن کا ماتا آکر مجکو کھندل گیا ہے

فخری

جب دیکھوں ہیں تجھے تو چکا چوند لگ رہے
ہرگز کبھی نے تو دیکھا نظر بھر کر آفتاب

ہاشم

دکھن ہور ہند کے دلبر ہمن سے بے حجاب اچھتے ❊ کہ مکھڑے چاند سے پر جن کے خط پیچ و تاب اچھتے

ہاتفی

تیری انکھیاں ہور زلف سے کافر ہوا سارا جہاں
اسلام ہور تقوے کہاں زہد اور مسلمانی کدھر

اشرف

پیا پن میرے تئیں بیراگ بھایا ہی جو ہونی ہو سو ہو جاو
بھبوت اب جوگیوں کا رنگ لایا ہی جو ہونی ہو سو ہو جاوے

غوّاص

جو کوئی اس مزرعِ دل پر برہ کا بیج بوتا ہے
تو ہرگز اوس کے بستاں میں گلِ امید ہوتا ہے

خوشنودی

سب رین جاگے سحر پڑھ تو بھی سجن آیا نہیں ؛ جب جب کے دیکھے باٹ میں درشن کوں دکھلایا نہیں

جعفر

غمزاں سوں دیکھو شوخ مجھے مار کر چلے ∴ مجروح تس پر راہ منیں ٹھار کر چلے

عبدالرحیم

آیا فراق اب پیو کا سُدہ بدہ گنوا جنوں کیا
جس باٹ وہ لیلیٰ گئی اُس باٹ مجھ جانا پڑا

عبداللہ

سجن کے ہجر کا نیزا جگر کے بیچ لاگا ہے ∴ نہ چونکے کیونکہ اب طالع ... جاگا ہے

عزیز اللہ

غزلے گفتہ است ، کہ تمام اولیا را درو ذکر کردہ است

مقطعش اینست۔

مجھ نوجواں میں کیا سکت بولوں جو ولیاں کی صفت

عاجز عزیز اللہ اُوپر دکھن کے سب پیراں مدد

سعدی دکھنی

آنچہ بعض ایں را شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ گمان بردہ

اند خطا است۔ ازوست۔

ہمنا تمن کو دل دیا تمنے لیا اور دکھ دیا

تم یہ کیا ہم وہ کیا ایسی بھلی یہ ریت ہی

دو نین کے کھپر کروں رو رو نجوں دل بھروں

پیشِ سگِ کوئیت دھروں پیاسا نجاوے میت ہے

سعدی غزل انگیختہ شیر و شکر آمیختہ

در ریختہ دُر ریختہ ہم شعر ہے ہم گیت ہے

حسن

جب تی سفر پی نے کیا تب تی غریب آوارہ ہوں ٭ پی بیگ تے آنا کریں یا مجلولین ملوائے کر

بیچارہ

پی سے جدا ہونا نہ تھا چاہا خدا کا یوں اتھا

جز صبر اب چارہ نہیں بیچارہ ہور ہنا پڑا

حسیب تخلص

احوالش معلوم نیست ، از بیاض سید صاحب مذکور نوشتہ شدہ۔

گلبدن پھول کے مست لٹکے ڈالی اڑے

دیکھ ابھی شور کریں بلبل و مالی لڑے

مرزا داؤد

داؤد تخلص میکند شاگرد سید صاحب است۔ اینقدہم اززبان سید صاحب بتحقیق رسیدہ۔ اللہ اعلم۔ بارے مصرعی را درست موزوں میکند۔ ازوست۔

زلفِ دلبر سے مجکو سودا ہے خلق کہتی ہے تجکو سودا ہے

میر میر النصاب

کہ سید نوازشخاں خطاب دارد و سید تخلص اوست ہمیں قدر معلوم میشود۔

آہ گر باغ میں وہ سروِ خراماں گذرے ⁂ اشکِ قمری سے گلستان میں طوفاں گذرے

بسکہ ہی آتشِ غم تیز دروسے ہیں مرے ⁂ ناوکِ ناز ترا دل سے نہ سوزاں گذرے

میر عبد اللہ تجرد

سیّد عبدالولی میگویند، کہ شاگرد منست۔ از وست

تجھ رُو میں لطف ہی سو ملک کو خبر نہیں

خورشید کیا ہی اُس کی فلک کو خبر نہیں

حکیم یونس

احوالِ اُو معلوم نیست، از بیاضِ سید صاحب نوشتہ شدہ۔

صبح جب گلشن سے وہ گلرو گیا ٭ باغ سے باہر نکل گلرو گیا

ہے معطّر اب تلک صحرا تمام ٭ اس زمیں اُوپر کوئی گل بو گیا

سو گیا جن نے جگایا تھا مجھے ٭ بخت میرا جاگ اُٹھا تھا سو گیا

نواب خواجم قلیخاں

ہفت ہزاری صوبہ داری برہانپور است۔ از معتقدانِ سید صاحب است۔

موزوں نہیں راہ عشق میں پھر اب قدم رکھا

میر محمد باقر حزیں

میر محمد باقر حزیں تخلص شاعرِ ریختہ است۔ صاحبِ دیوان از نصیریان مرزا جانجاں مظہر شنیدہ میشود کہ بہ بنگالہ رفت دیگر احوالش تحقیق نمی گردد۔ از وست۔

اُس بے وفا کے عشق میں کچھ مجکو جس نہیں

پانوں تلک بھی ہائے میری دسترس نہیں

محمد علی حشمت

از شاگردانِ غنی بیگ قبول است۔ اکثر بر شعرہاے مردمان اعتراضات بیجا میکرد۔ و جوابِ با صواب می یافت۔ در شعر ریختہ کہ بسیار پاجیانہ میگفت، گپہا دارد۔ حاصل عجب ہنگامہ پردازے بود۔ دریں ایام ہیچ روئے ہم بہم نمی رسد۔ ہمراہِ قطب الدین خاں در جنگِ رُوہلہ کشتہ شد۔ استادِ عبدالحیِّ تابان بود۔ خداش بیا مرزد۔ از وست۔

جب آخزاں چمن میں ہوئی آشناگل ✤ تب عندلیب رو رو کے پکاری کہ ہائے گل

خط نہیں تیرا حسن سب اُوڑا یا ✤ یہ سبز قدم کہاں سے آیا

میر عبدالحیِّ تابان

نوجوان بامزہ بود۔ سید نجیب الطرفین، مولدِ او شاہجہاں آباد است۔ بسیار خوش فکر و خوبصورت خوش خلق پاکیزہ سیرت معشوق عاشق مزاج۔ تاحال در فرقۂ شعرا ہیچ او شاعرِ خوش ظاہر

از مکمّن بطونِ عدم بعرصۂ ظہور جلوہ گر نشدہ بود۔ زبانِ رنگینش پاکیزہ تراز برگ گل گلستان سخن را نازک دماغ بلبل۔ سمندِ رنگینیِ فکرش باگلگونِ بادِ بہار طایق النعل بالنعل است۔ ہر چندِ عرصۂ سخنِ اُو ہمیں در لفظہاے گل و بلبل تمام است۔ امّا بسیار برنگین میگفت۔ از دیدنِ رنگ و آتش بے اختیار از دہنِ من گلِ کمالش سر میزد۔ نسبت بشعرِ اُو اوستادِ اورا رتبۂ شاگردیِ اُو نبود۔ بافقیر یک صفائی داشت۔ از چندے بسبب کم اختلاطیِ این ہیچمدان کدورتے بمیاں آمدہ بود۔ اجلش مہلت نداد، کہ تلافیش کردہ آید۔ آخر آخر کہ اوائل جوانیِ اُو بود، این قدر مداومتِ شراب کردہ کہ ملاقاتِ ہمہ یاران موقوف شد۔ اکثرے از دوستانش کہ بخانۂ اُو میرفتند، اورا مست طافح می یافتند۔ و آب بردنِ این ناجرارا بہ بینید کہ ہشت ہفت روز ودیعتِ حیات سپردنِ او باقی ماند۔ یک مرتبہ توبہ کردہ بہمہ آشنایانِ خود رقعہا نوشتہ کہ عزیزانِ من توبہ کردہ ام۔ شما شاہد و خبرگیرانِ من باشید۔ چراکہ شراب بسبب کثرتِ استعمال مزاجِ من نشدہ بود از گذشتنِ این از خود گذشتنِ من بر نزدیک می نماید۔ غافل از احوالِ من بودن از عقل بسیار

دور است۔ آخر الامر ہماں شد کہ گفتہ بود۔ حاصل آفتابِ تابانِ عمرِ اُو زود بلبِ بام رسید۔ معشوق عجبے از دستِ روزگار رفت۔ افسوس افسوس افسوس۔ امید قویست کہ حق تعالےٰ مغفرتش کردہ باشد۔ از وست۔

ہے سوزِ عشق یہاں تئیں مجھ میں کہ بعدِ مرگ
پروانہ مرغِ روح ہو شمعِ مزار کا

قد حلقۂ کماں اسی حسرت میں ہوگیا ✦ تیر ہدف کبھی نہ ہماری ہوئی دعا

انگکو چھپا رکھا میں ہیں دیکھ کے سمجھا ✦ تاباں تو تۂ خاک بھی جلتا ہی رہیگا

پاس تو سوتا ہی چنچل پر گلے لگتا نہیں ✦ منتیں کرتے ہی ساری رات ہوجاتی ہی صبح
جیو میں آوے سو کہہ تو تاباں کو ✦ لیس من فیک شیتمنا بہ قبیح

مرا بس ہو تو ہرگز خط نہ آنے دوں ترے لیکن
لکھا قسمت کا کوئی بھی مٹا سکتا ہے کیا قدرت

لگ رہی ہیں ترے عاشق کی جو آنکھیں چھت سے
تجکو دیکھا ہے مگر اُن نے لبِ بام کہیں

لے میری خبر چشم مرے یار کی کیونکر * بیمار عیادت کرے بیمار کی کیونکر

بال اپنے کھولتا ہے جب تو اے خورشید رو * چاند سے منہ پر ترے اُس وقت آجاتا ہے ابر

آتا ہے فاتحہ کو گلرو رقیب ساتھ * لاتا ہے خار قبر پہ میرے بجائے گُل

آشنا تو تو مجھے ایسا ہے جیسا چاہیے * پر جو کچھ دل چاہتا ہے ہائے وہ ہوتا نہیں

ساقی ہو اور چمن ہو مینا ہو اور ہم ہوں * باراں ہو اور ہوا ہو سبزہ ہو اور ہم ہوں
ایمان و دیں سے تاباں مطلب نہیں ہے ہم کو * ساقی ہو اور مے ہو دنیا ہو اور ہم ہوں

ملایا خاک میں گھر کوہکن کا ہائے خسرو نے * یہ کیا بات آگئی اُس خانماں آباد کے دل میں

جفا تو چاہیے اے شوخ مجھ پہ یہاں تک کر * کہ سب کہیں مجھے رحمت تیری وفا کے تئیں

دیکھنا ان ماہرویوں کا تو اے تاباں چھوڑ
چاہتا ہے گر ہمیشہ نور بینائی کے تئیں

میرے ہم مشربوں میں آ تاباں ٭ ریبجھتے ہو نگے حضرت رمضان

جوں برگِ گل سے باغمیں شبنم ڈھلک پڑے
کیا ہو کہ برگِ تاک سے یوں مے ٹپک پڑے
محفل کے بیچ سن کے میرے سوزِ دل کا حال
بے اختیار شمع کے آنسو ڈھلک پڑے

کاٹیں ہیں تباں تاباں جوں شمع زباں میری
یہاں بات کے کہنے کی ہوتی ہے گنہہ گاری

سفیدی جو آئے ہی ڈاڑھی بیں تیری ٭ سمجھ شیخ یہ تار و پودِ کفن ہے

شیخ جو حج کو چلا چڑھکے گدھے پہ یارو
زور نہیں ظلم نہیں عقل کی کوتاہی ہے

رکھتا تھا ایک جیو سو تیرے غم میں جا چکا ✣ آخر تو مجکو خاک میں ظالم ملا چکا

دیتا نہیں ہی ساقی اس ابر میں پیالہ ✣ آتا ہی مجکو تاباں بے اختیار رونا

گلی میں اپنی روتا دیکھ مجکو وہ لگا کہنے ✣ کہ کچھ حاصل نہیں تج نیکا ساری عمر رو بیٹھا

تو بال کھول نہایا تھا ایکدن اینک ✣ ہر ایک موج کو ہی پیچ و تاب دریا میں

ہر ایک کو کیجیو تیبروں کا اپنے تو قندیل ✣ کھلائیو نہ میرے استخواں ہما کے تئیں

بہے اشک ازبسکہ آنکھوں سے میری ✣ لب جو ہوا ہے کنارِ گریباں

ہاتھ بیفائدہ زنداں میں نہ دوڑا مجنوں ✣ طوق ہی تیرے گلے میں یہ گریباں تو نہیں

خوانِ فلک پہ نعمتِ الوان ہے کہاں ✣ خالی ہیں مہر و ماہ کی دونوں رکابیاں

مرتے ہیں آرزو سے اس وقت آن پہنچو ✣ ٹک تم کو دیکھ لیں ہم جلدی سے جان پہنچو

میں گورِ غریباں پہ جاکر جو دیکھا ÷ بجز نقش پا لوحِ تربت نہیں ہے

نہ پائی خاک بھی تاباں کی ہم نے پھر ظالم ÷ وہ ایکدم ہی ترے رُوبرو ہوا سو ہوا

آرزو ہی رہی پہ دانۂ تاک ÷ قطرۂ مے کبھو نہ ہو ٹپکا

مرنے کے سے تو نہیں کچھ مرے آثار ہنوز ÷ رحم کر رحم کہ جیتا ہے یہ بیمار ہنوز

کیا میں فرض کہ محشر کے تئیں مجھے بخشیں ÷ جو تو نہ ہوئے تو فردوس بھی جہنم ہے

تیرے پاس عاشق کی عزّت کہاں ہے ÷ تجھے بے مروّت محبّت کہاں ہے
بیاں کیا کروں ناتوانی میں اپنی ÷ مجھے بات کہنے کی طاقت کہاں ہے
مری گور پر لوگ رکھتے ہیں گل کو ÷ تری دلربائی کی عزّت کہاں ہے

میرا جوابِ نامہ یہاں لکھ چکے پر اب تک ÷ قاصد پھرا نہ لیکر وہاں سے جوابِ نامہ

گئے نالے ترے برباد مانندِ جرس چپ رہ ÷ اثر دیکھا تری فریاد میں دل ہم نے بس چپ رہ

تیری ابروسے نہ چھوٹے گا مرا دل ہرگز　　گوشت ناخن سے بھلا کوئی جدا ہوتا ہے

تو مری پی اس قدر ظالم کہ تجکو کیف کم ہووے　　ترا بیہوش ہوجانا ہمارا ہوش کھوتا ہے

بتاں کے شہر ناپرساں میں کوئی کب داد کو پہنچے
مگر واں اپنے بندوں کی خدا فریاد کو پہنچے

قیامت مجھ پہ کل کی رات اُس کے ہجر نیں لائی
نہ آیا یار میرا آج بھی وہ رات پھر آئی

ہوتا ہوں ترا جو اشتیاقی ساقی　　بیخود ہو پکارتا ہوں ساقی ساقی
ہے مجکو خمار شب کا صبح ہوئی　　شیشہ میں جو کچھ کہ مے ہے باقی ساقی

محمد یار خاکسار

خاکسار تخلّص عرف کلّو شخصے است خادم درگاہ قدم شریف حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلّم شعر ریختہ میگوید۔ و خود را دور میکشد۔ و بسیار سفلگی میکند۔ بلکہ از تنک آبی بنائے ریختہ را

باب رسانیده۔ چنانچہ علی الرغم این تذکرہ نوشتہ است،
بنامِ معشوقِ چہل سالۂ خود۔ احوالِ خود را اول از ہمہ نگاشتہ،
و خطابِ خود سید الشعرا پیشِ خود قرار دادہ۔ آتشِ کینہ کہ
ئلے سبب افروختہ است، چوں کبابم بومیدہد، ابنقسم پےِ من
ریسمان می تابد، کہ گوئی پسر رسن تاب است۔ محمد معشوق کنبوہ کہ
مروے است نائب میر بحر بسیار گرمجوش و یارباش چوں شنید
کہ خاکسار کلّو ہم نام دارد بداہتہً گفتہ (مصرع)

کتّا ہے دربار کا کُلّو اُس کا نام

چوں کلّو اکثر نام سگہا میگذارند لطف بہم رسانید۔ ہرکہ دُم
لائبہ او دیدہ است میداند۔ فخرِ او ہمہ بر ریختہ است طرفہ اینکہ
آں ہم نا مربوط و خود او ہم نادرست۔ تقلیدِ مرزا جان جاناں مظہر
در ہر امر میکند۔ اگر کسے تکلیف شعر کند گوید کہ وقتے بیمار بودم،
آہ آہِ من ایں رنگ داشت۔ سبحان اللہ مردمان ایں را
شعر می نامند۔ بابا من شعر نمیگویم۔ و با ایں برادرانِ یوسف کہ
ما شاعران باشیم بربطے... الغرض بسیار کم فرصت و بے تہ است
ایں چند شعرے کہ بنامِ او نوشتہ مے آید، از فیض سخن
است، ازو نیست۔

دل شیفتہ ہو کے کیا کیا تیں ؂ ای خانہ خراب کیا کیا تیں

تیری زلفِ سیہ سے ای پیارے ؂ مجکو یکسر ھزار سودا ہے

خاکسار اُس کی تو آنکھوں کے کہے مت لگیو

مجکو ان خانہ خرابوں ہی نے بیمار کیا

بر منتج این فن پوشیدہ نیست ، کہ بجائے بیمار کیا گرفتار کیا میبایست ۔

تیغِ قاتل سے ہوئے محروم نے تقصیر ہم ؂ روزِ محشر کے اُٹھیں گے گور سے دلگیر ہم

کیا ہے اس خاکسار کی تقصیر ؂ یہ مگر تم کو پیار کرتا ہے

کیا ہی حاصل تجھے ناصح مرے سمجھانے میں ؂ آہ جوں شمع ہی راحت مجھے مرجانے میں

خاکسار عاشقِ میخوار کو تقوے سے تی کیا ؂ ابھی دیکھا تھا میں اُس رند کو میخانے میں

قیامت بھی ہو گی تو میری بلا سے ؂ مجھے دادخواہی کی طاقت کہاں ہی

واسطے تن کے جامہ سے بوے گل کو ؛ گھر ترے خانہ خرابوں سے جو بنیاد کرے

روتے سے خاکسار کے سوتا نہیں کوئی ؛ اس خانماں خراب کو چنگا خدا کرے

عشوہ و ناز کو ترے پیارے ؛ یہ ترا خاکسار جانے ہے

شانہ آہستہ کیجیو حجام ؛ مار اس زلف کا رگِ جاں ہے

محمد فقیہ دردمند

ہر چند کہ یک ملاقات با او کردہ ام لیکن خوب از احوالش مطلع نیستم۔ ایں قدر دانم کہ نظر یافتہ مرزا مظہر مستور است۔ و اشعار او ہم بگوش فقیر نرسیدہ۔ مگر چند بیت ساقی کہ در مدح ممدوح خود گفتہ۔

کرے کیوں نہ مشکل دو عالم کی حل ؛ کہ جس کا ید اللہ ہے بانہہ بل

کوئی آج اس کی برابر نہیں ؛ وہ سب کچھ ہے الا پیمبر نہیں

کدام محمد علیخانے داشت۔ در صفتِ او گوید۔

پڑی اس کی خوبی کی از بسکہ دھوم ٭ لیا ہاتھ قدرت کا صانع نین چوم

در شروعِ ساقی نامہ گوید۔

ای ساقی ای جانِ فصلِ بہار ٭ یہی تھا ہمارا و تیرا قرار

ہمارے بسرنے کی یہ فصل نہیں ٭ فراموش کرنے کی یہ فصل نہیں

در قسمیہ میگوید۔

تجھے وعدہ کر بھول جانے کی سُوں ٭ تجھے اپنی سوگند کھانے کی سُوں

در فخریہ گفتہ۔

تیری جان کی سوں غنیمت ہوں ہیں ٭ سلیقوں ہیں ظالم قیامت ہوں ہیں

مرا عقل ہیں کون انباز ہے ٭ ارسطو مرا ایک دوا ساز ہے

فلک چرخ مارے گا گر صد ہزار ٭ نہ لاوے گا مجھسا کوئی روبکار

در اشتیاق گوید۔

نہ یہ می نہ یہ باغ رہ جائے گا ٭ یہی ملنے کا داغ رہ جائے گا

خواجہ برہان الدین

عاصمی تخلص شاعرِ ریختہ و مرثیہ ہم خوب میگوید۔ وضعے

معقولے دارد۔ در شمشیر شناسے دست تمامے است، متوطن شاہجہان آباد در بہادر پورہ سکونت دارد۔ و مزاجش مائل لطیفہ گوئی بسیار است۔ در علمِ تاریخ مہارتے خوب پیدا کردہ۔ از مغتنماتِ روزگار است، اگرچہ روزگار با او مساعدت نمیکند ازوست۔

چمن کے تخت پر جس دن شہ گل کا تجمل تھا
ہزاروں بلبلوں کی فوج تھی اور شور تھا غل تھا
خزاں کے دن جو دیکھا کچھ نہ تھا جز خار گلشن میں
بتاتا باغباں رو رو کے یہاں غنچہ تھا واں گل تھا

رات کو میں شمع کی مانند رو کر رہ گیا ✦ صبح کو دیکھا تو تن من اشک ہو کر بہہ گیا

شوق تخلص از شاہجہان آباد است۔ سپاہی پیشہ شاعرِ ریختہ شاگردِ خانصاحب سراج الدین علی خاں بندہ را بخدمتِ او ربطِ کلیست۔ اکثر اتفاقِ ملاقات می اُفتد۔ ازوست۔

قاصد پھرا نہ وہاں سے جوابتک تو آچکا
القصہ اُس گلی میں گیا جو سو جا چکا
ای یاس مجکو کام اجابت سے کیا رہا
وقتی کہ جب دعا ہی سے میں ہاتھ اُٹھا چکا

اگر قاصد ترے کوچہ سے ٹک جلدی نہ آوے گا
تو پیارے دیکھیو پھر تو کہ میرا جیو ہی جاوے گا

میں اپنی کم زبانی سے عزیزاں گرچہ مرتا ہوں
لبِ زخموں سے قاتل کا ادائے شکر کرتا ہوں
عبورِ بحرِ دنیا میں سبکساری سے کرتا ہوں
حباب آسا شمارِ دم سے بے کشتی گذرتا ہوں

سراپا آرسی ہی دیدۂ بیدار پر تو بھی ؛ تیری اس چشم خواب آلودہ آگے ہو نہیں سکتی

مدت سے یہ بحث درمیاں ہے ؛ پر علم نہیں کمر کہاں ہے

دکھا دیدار ای پیارے کہ میں فرقت سے مر گزرا
مری فردائے محشر آج ہی میں کل سے در گزرا

کسی کو باغ دنیا سے نہ دیکھا شاد ہم جاتے
برنگ شبنم ایک عالم یہاں سے چشم تر گزرا

ماتم میں میرے کوئی نہ رویا تو غم نہیں ✤ تربت پہ میری شمع کا ہنسنا بھی کم نہیں
تلوار کس پہ کھینچتے ہو ہم تو مر چکے ✤ پیاسے ہو کس کے خون کے ہم میں تو دم نہیں

آچکا خط بھی پہ تیرا انت نیا ایک ناز ہی ✤ ہو چکی آخر بہار اور اب نئیں آغاز ہی

خبر لے شوق کی ظالم تیری فرقت سے مرتا ہی
بار از تلوار ہی اُس پر جو کوئی دم گزرتا ہی

بجھے گی آتش دل ہم نے جانا تھا گھٹا آئی ✤ ہوائے ابر نیں دُونی ولے یہ آگ بھڑکائے

بجز مروڑ کے عاشق سے کچھ خیال نہیں
ہم اُس کی زلف کو جانا تر ہے سودائی

کیا کیا ستم نہ تھے جو کئے چشمِ یار نیں ✤ جو سختیاں تھیں مجکو زمانہ دکھا چکا

آج ہی ملو تو بہتر وعدہ غلط ہی کل کا ✤ جوں طفل اشک میں تو مہماں ہوں کوئی پل کا

رُسوا

شخصے بود ہندو حالا قیدِ مذہب نداشت۔ پیش ازیں در توپخانہ نوکری کرد۔ از چندے ترک روزگار گرفتہ آوارہ دشت گمراہی شدہ۔ وضع ساختۂ داشت۔ اکثر کہ در اثنائے راہ دیدہ شدہ است۔ مست گذارہ یافتہ ام۔ بیشتر عاشقِ طفل ہندوئے بود۔ اُو از قضا مرد۔ عاشقیِ اُو بہوس مبدّل گشت۔ از بسکہ شراب میخورد و حالاتِ مستیِ خود بمردمان مینمود، دریں پردہ عالمے را باب میراند و بسر میبرد۔ عریانی را لباسِ خود مقرر کردہ میگشت۔ آخر در ہماں برہنگی جامہ گذاشت۔ از دست

قفس سے وُوں گئے ہم اور چمن میں جائے نہیں
اُڑیں تو پر نہیں رکھتے چلیں تو پائے نہیں

وصل میں بیخود رہے اور ہجر میں بیتاب ہو
اِس دیوانے دل کو رسوا کس طرح سمجھائیے

ہر گلی میں گر پڑیں ہیں مست ہو دیوار و در
ابرِ رحمت برستا ہی یا برستی ہی شراب

آرام تو کہاں کہ ٹک ایک سو کے چپ رہیں
آنسو بھی نہیں رہے کہ بھلا رو کے چپ رہیں

محمد قایم

متخلص بقایم جوانے است، خیرہ وطیرہ و حسن پرست، نوکر پیشہ۔ مدتے داخلِ جرگۂ میاں خواجہ میر صاحب ماند. الحال با مرزا رفیع محشور است. با فقیر نیز آشنا است۔ از دست۔

دریا ہی پھر تو نام ہی ہر ایک حباب کا — اُٹھ جائے گر یہ بیچ سے پردہ حجاب کا
کیوں چھوڑتے ہو دُردِ تہِ جامِ میکشو — ذرہ ہی یہ بھی آخر اُسی آفتاب کا

دردِ دل کچھ کہا نہیں جاتا   آہ چپ بھی رہا نہیں جاتا
جا ہی ماتم کو نت مرے دل میں   اس نگر سے وہا نہیں جاتا
ہردم آنے سے میں بھی ہوں نادم   کیا کروں پر رہا نہیں جاتا

یہ کہیو تو قاصد کہ ہی پیغام کسی کا   پر دیکھیو لینا نہ کبھو نام کسی کا

الٰہی واقعی اتنا ہی بدہی فسق وفجور   پر اس مزہ کو سمجھتا جو تو بشر ہوتا

بناوے کوئی عمارت سو کس توقع پر   پڑا ہی قصرِ فریدوں بن آدمی سونا

نیک و بد جو تجھے کرنا ہی سو کرلے قائم   پھیر اُمید نہیں ہی کہ جواں ہووے گا

کو نوحہ گر کہ خاک پہ میری ہو گرم شور   تھا ایک چراغِ گور سو وہ بھی خموش تھا

ہم سے نے بال و پر اب جائیں کدھر ای صبا   کاش تین ذبح کیا ہوتا کہ آزاد کیا

یکدگر جب خفگی آئی تو جھگڑا کیا ہی   تجکو خواہندہ بہت مجکو طرحدار بہت

بھلا ای ابرِ مژگاں اب تو بس کر　ابھی تو کھل گیا تھا تو برس کر
بہارِ عمر ہی قایم کوئی دن　اسے جوں گل پیارے کاٹ ہنس کر

دامن نہ کھینچ خاک سے میری ای شعلہ خو　پر لے قرار ہوں ہوں سوختن ہنوز

ای محنت آزمائے عاشق　تب خوش ہو کہ مر ہی جائے عاشق

ہمارے دردِ دل کے تئیں پی کب بیدرد پوچھیں ہیں
ہم اپنے جیو سے عاجز ہیں انھو کو عیش سوجھیں ہیں

روکے ہی کون تیغ مری عشق نیں کہا　بولا ادھر سے داغِ جگر لے سپر کہ ہم

نہ دل بھرا ہی نہ اب نم رہا ہی آنکھوں میں
کبھی جو روے تھے خوں جم رہا ہی آنکھوں میں
موافقت کی بہت شہریوں سے میں لیکن
وہی غزال ابھی رم رہا ہی آنکھوں میں
وہ محو ہوں کہ مثالِ حبابِ آئینہ

جگر سے اشک نکل تھم رہا ہی آنکھوں میں

صحرا پہ گر جنوں مجھے لاوے عتاب میں　　کھینچوں ہر ایک خار کو پاے حباب میں

آوے خزاں چمن کی طرف گر میں رُو کروں
غنچہ کرے گلوں کو صبا گر میں بو کروں

کُھلتی ہی چشم دید کو تیری پہ جوں حباب　　اپنے تئیں بن آپ نہ آیا نظر کہیں
اے دل برنگِ غنچہ نہ مِل گلرخوں سے تو　　اپنی گرہ میں ان کے کھلانے کو زر نہیں

دل تو کہے سنے سے سمجھتا بھی ہی کوئی　　جو کچھ کہو سو دیدۂ خانہ خراب کو

میں رہ گذر میں پڑا ہوں برنگِ نقشِ قدم　　تیں چھوڑا کس کے بھروسے پہ کارواں مجکو

قطعہ

یارو کیوں بکتے ہو بیفائدہ مجھ سے جاؤ　　اتنی کہتے ہو مجھے اتنی اسے سمجھاؤ
وہ نہیں تو کہ تجھے غم ہو کسی عاشق کا　　یا کوئی جی بے نصیبوں ستی - یا مر جاؤ

سنگ کو آب کریں پل میں ہماری باتیں
لیکن افسوس یہی ہی کہ کہاں سُنتے ہو

ہیں کہا خلق تمھاری جو کمر کہتے ہیں
تم بھی کچھ اُس کا کہیں ذکر و بیاں سنتے ہو

ہنس کے یوں کہنے لگا خیر اگر ہی یہ بات
ہووے گی ویسی ہی جیسی کہ وہاں سنتے ہو

راہ پینڈے اُسے رکھتا ہوں اگر گھیر کبھو   ہنس کے کہتا ہی مجھے کام ہی اب پھیر کبھو

جیوہیں چلیں تھیں جو کچھ سو تو گئیں یار کے ساتھ
سر ٹپکتا ہی پڑا اب در و دیوار کے ساتھ
میں دیوانہ ہوں صدا کا مجھے مت قید کرو
جیو نکل جائے گا زنجیر کی جھنکار کے ساتھ

موقوف شغلِ گریہ میری چشم اگر کرے   اتنا رہے نہ آب کہ لب کوئی تر کرے
پہلے ہی سوجھتی تھی ہیں ای شبِ فراق   یہ رات بے طرح ہی خدا ہی سحر کرے

تجھسے لگیں تھیں آنکھیں پھنسا مفت مین یہ دل
تقصیر تھی کسو کی گرفتار ہی کوئی

دہن کو تیرے پایا بات کہتے ہماری جز رسی ہین کیا سخن ہی

نہ لگا دل کو اُس کی مژگاں سے اپنے حق مین تو کانٹے مت بووے
اُٹھاوے ستم یا جفا کو کوئی بچارا یہ دل ایک کیا کیا کرے
مین جاتا ہوں کعبہ سے اب دیر کو بھلا یہ بھی دیکھوں خدا کیا کرے

نہ مرنے دیتے ہم قایم کو لیکن خداوندی سے کچھ چارا نہین ہی

یارب کوئی اُس چشم کا بیمار نہووے دشمن کے بھی دشمن کو یہ آزار نہووے

یہ دل وہ جنس ہی کہ دیا گر کہین اُسے دھڑکا ہی رہا کہ نہ دے بازپس مجھے

مرا کوئی احوال کیا جانتا ہی جو گزرے ہی مجھ پر خدا جانتا ہی

بھٹکا پھروں ہوں یہاں میں اکیلا ہر ایک سمت

ای ہمرہانِ پیشِ قدم تم کدھر گئے

جنس لُٹ چکا ہی جور فروشوں کے ہاتھ سے

دل دیکھنے کو لیکے جو ظالم مُکر گئے

افغان و آہ کشتۂ بیداد کیا کرے

جو قتل ہو چکا ہو سو فریاد کیا کرے

رباعی

کیا پشم ہیں دنیا کے یہ سب اہلِ نعیم ‏ بیقدر کریں ہم کو جو دیکر زر و سیم

مسجد میں خدا کو بھی نہ کیجیے سجدہ ‏ محراب جو خم نہو برائے تعظیم

فضلِ علی

دانا تخلص مردیست نوکر پیشہ، وارستہ، لطیفہ گو شاگردِ میاں مضموں تلاشِ لفظ تازہ بسیار میکند۔ اصلِ او از شاہجہان آباد است۔ اتفاقاً در موسم ہولی تاریخ پانزدہم کہ مجلسِ خانۂ فقیر مقرر است واقع شد۔ میاں دانا نیز تشریف داشت

لیکن بہ لباسِ عجیبے، یک تنی سیاہ بہ برکردہ کہ دامنش تا بزانو بود چوں رنگِ ذاتِ شریف و ریش ازحد زیادہ ہر دو سیاہ بود۔ مرزا رفیع کہ سابق گزشت بمجرد مشاہدہ کردنِ او گفت کہ یارو ہولی کا ریچھ آیا کہ بزبان فارسی خرس ہولی میتواں گفت۔ چوں در ہندوستان رسمیست کہ دریں روزہا، اراجیف و اطفال وغیرہ ہم خرس و بوزنہ و اسپ و شتر برائے خوشی ہمدیگر میسازند۔ ایں لطیفہ بسیار بموقع افتاد، بلکہ صورت گرفت۔ القصہ دانا عجب کسے است۔ گاہ گاہ با فقیر نیز ملاقات میکند۔ ازوست۔

بہر صورت خدا کو دیکھنا عنوان ہے میرا ٭ یہی توحید میں مصرعِ سرِ دیوان ہے میرا

دل میں ہر ایک کے سودا ہی خریداری کا ٭ یوسفِ مصر مگر تو ہی ہے ای یارِ عزیز

نچاٹے خون کو جس روز میرے اسکے فاقہ ہے ٭ رگِ گردن سے میرے اسکے خنجر کو علاقہ ہے

...نام تخلص میکرد و شعر ریختہ نیز میگفت در عصر محمد شاہ بادشاہ

که اکنوں به فردوس آرامگاه ملقب است۔ بامارت رسید بسیار بکروفر معاش میکرد۔ از اکبرآباد بود۔ بسبب ناسازی روزگار که باکس نمی سازد۔ و نخواہد ساخت زود فوت شد از دست۔

نہ دیکھی ایک جھلک بھی آپ کے تن بیچ اندھوں نیں
اگرچہ سربن موسے بدن سارا تشبکا ہے
زمیں اور آسماں اور مہر و مہ سب تجھمیں ہیں انساں
نظر بھر دیکھ مشتِ خاک میں کیا کیا جھمکا ہے

محمد عارف

عارف تخلص متصل دہلی دروازہ میباشد۔ شاگردِ میاں مضمون است۔ از بسکه تلاشِ لفظِ تازه میکند۔ بعد از سالے و ماہے بیتے ازو موزوں میشود۔ شعرِ اُو خالی از لطف نیست با فقیر نیز آشنا است۔

دخترِ رز کو کہہ کہ اُس سے ملے
ورنہ عارف افیم کھاوے گا

ہزاروں معنیِ باریک آویں دل میں ای عارف
اگر زلفِ سیہ کا پیچ اُس کے مُنہ پہ کھلجاوے

میاں ہدایت اللہ

ہدایت تخلص، از دہلی است۔ ریختہ را بطرز میگوید از یارانِ خواجہ میر صاحب است۔ اگرچہ او در ظاہر بعجز و انکسار پیش می آید۔ امّا کمیتِ خامہ اُو در عرصۂ میدانِ سخن بال بستہ راہ میرود۔ بندہ از وضعِ او بسیار محظوظم۔ ازوست۔

شہیدِ تیغِ ابرو ہے اسیرِ دامِ گیسو ہے　　ہدایت بھی تو کوئی زور ہی شُہدا شکستا ہے

یاد آتے ہی زلف کی ہے قہر　　پھر گئی جیو پہ سانپ کی سی لہر

تیری زلفوں کی کچھ چلی تھی بات　　روتے ہی گذری آہ ساری رات

حیرت میں ہوں کہ تیرے تئیں ای شبِ فراق
ظاہر میں دیکھتا ہوں کہ عالم ہے خواب کا

قطعہ بند

بھلا بتاؤ مری جان کچھ ہدایت نہیں ٭ تمھارے جور سے شکوہ کبھو کیا ہوگا
مگر یہی نہ کہ بے اختیار ہو کے کبھی ٭ کچھ اور بس نہ چلا ہوگا رو دیا ہوگا

تجھ بن ای خونخوار یہاں ہر دم دمِ شمشیر ہے ٭ سانس جب پلٹے ہے گویا بازگشتی تیر ہے

بیدار

بیدار تخلص جوانے است ، از یاران مرزا مرتضیٰ قلی بیگ فراق مصرع ریختہ درست موزوں میکند۔ و مرزا مرتضیٰ قلی شاعر مربوطِ فارسی است۔ اکثر در صحبتہا با فقیر بگرمی پیش می آید۔ از بیدار است۔

صفا الماس و گوہر سے فزوں ہے تیرے دنداں کو
کیا تجھ لب ہیں ہمرنگِ خجالت لعل و مرجاں کو

میاں نجم الدین علی

سلام تخلص، مولدِ او اکبرآباد است۔ خلف میاں شرف الدین علیخاں پیام کہ احوالِ او نگاشتہ شد۔ چوں یارباش و مخاطب صحیح حقیقت، جمعیت لیاقت شخصیت آدمیت حرمت علمت ہمہ دارد۔ فقیر را با او از تہ دل اخلاص است۔ چنانچہ اکثر اوقات اتفاق باہم فکر شعر کردن و گپ زدن و مزاح نمودن می افتد۔ جوانے خوبست۔ خدا زندہ دارد۔ ازوست۔

حدیثِ زلف چشم یار سے پوچھ
درازی رات کی بیمار سے پوچھ

بتیا بیو قسم ہی تمہیں میرے صبر کی ٭ مسلخ میں بعد ذبح تحمل نہ کیجیو

لالہ ٹیک چند بہارؔ

لالہ ٹیک چند بہار تخلص مردِ مستعدلیست۔ از یاران سراج الدین

صاحبِ تصانیفِ بسیار۔ دماغِ تفصیل ندارم برہمن رنگین بہارِ سخن از لفظ لفظش ہزار ہزار رنگِ معنی گل میکند۔ بافقیر ہم آشنا است۔

وہی ایک ریسماں ہی جس کو ہم تم تار کہتے ہیں
کہیں تسبیح کا رشتہ کہیں زنار کہتے ہیں
اگر جلوہ نہیں ہی کفر کا اسلام میں ظاہر
سلیمانی کے خط کو دیکھ کیوں زنار کہتے ہیں

تھی زلیخا مبتلا یوسف کی اور لیلے کا قیس
یہ عجب مظہر ہی جس کے مبتلا ہیں مرد و زن

باعتقاد بندہ بجائے اشارتِ قریبہ کلمۂ استعجاب کہ اول مصرعِ دوم بکار بردہ است۔ اگر حسن کیا میگفت۔ ایں شعر واضح تر میشد۔ فافہم

سحر یا معجز ہی یہ سچ کیوں نہیں کہتا بہار دم ترا جذبِ اسم سے دور کرتا ہی کرے

ہیں واعظ ڈراتا کیوں ہی دوزخ کے عذابوں سے
معاصی گو ہمارے بیش ہوں کیا مغفرت کم ہی

سبھی کرتے ہیں دعوے خوں کا قسمت ہی تو دیکھیں گے
صف محشر میں ہوگا کس کے دامن ہاتھ قاتل کا

ہمیں اعظ ڈراتا کیوں ہی دوزخ کے عذابوں سے
معاصی گو ہمارے بیش ہوں کچھ مغفرت کم ہی

ناز و استغنا عتاب اعراض سب جانکاہ ہیں
قرب میں خوباں کے کیا معنی کہ دل کو ہو نشاط

نہیں معلوم کیا حکمت ہی شیخ اس آفرینش میں
ہمیں ایسا خراباتی کیا تجکو مناجاتی

محبت کے قلمرو میں جو جاوے گا تو دیکھے گا
کوئی آرے تلے چیرا کسی کو کوہ پر پٹکا

میر عبدالرسول نثار

از یارانِ فقیر مولف است۔ چنانچہ شعر بمشورت من میگوید سید نجیب جوانِ سعادتمند، اصلش اکبرآباد است۔ در عصرِ فرخ سیر پادشاہ کہ ہنگامہ نیکو سیر در اکبرآباد گرم شدہ بود۔

بزرگانِ این باقتدار بسر میبردند۔ بسیار آراستہ پیراستہ سنجیدہ فہمیدہ فقیر از وضع او بسیار محظوظ است۔ ازوست

جو ہی یعقوب یوسف دیکھنا منظور آنکھوں سے
تو اپنا پھوٹ کر مت رو کہ جاوے نور آنکھوں سے

ٹک دیکھ تو چمن کا کیسا ہی ڈھنگ تجھ بن
منھ سے اڑا ہی گل کے گلشن میں رنگ تجھ بن
ہر سمت صد تمنا تڑپیں ہیں خاک وخوں میں
ہی صحن خانہ میرا میدان جنگ تجھ بن
یہاں گل رکھے پھرے ہی دستار پر تو اپنی
وہاں عاشقوں کے سر پر پڑتے ہیں سنگ تجھ بن

اکثر ہیں دلفگار ولیکن نہ اس قدر ٭ کتنے ہیں بیقرار ولیکن نہ اس قدر
ہیں وہ ہوں جس کے رشک سے گل نہیں کیا جگر ٭ ٹکڑے جگر ہزار ولیکن نہ اس قدر

ہاتھ سے ان جامہ زیبوں کے کلیجا دینگے ہم ٭ یہ گریباں دامن صحرا کو دکھلاوینگے ہم

یہ عزم کس مریض پہ یہ خشم کس پہ شوخ
ایک میں ہوں مضطرب سو تو نبض طپیدہ ہوں

قاصد تو مقتضا نہیں غیرت کا خط لئے
مشتاقِ پرفشانیِ رنگِ پریدہ ہوں

طوفانِ خلق ہووے گا اشکِ ستم زدہ
ایسا نہووے یار کہ میں آب دیدہ ہوں

میر حسن

متخلص بحسن جوانِ اہلبیت، نوکرپیشہ اکثر در بندہ خانہ بتقریب مجلس تشریف می آرد۔ وضع مرد آدمیانہ دارد مشقِ شعر از مرزا رفیع میکند۔ از وست۔

لگتا ہی آج مجکو یہ سارا جہاں خراب
شاید کہ مرگیا ہی کوئی خانماں خراب

قاتل اگر کہے کہ سسکتا ہی چھوڑ دیو ٭ خنجر تو ایک دم کے لئے منہ نہ موڑ یو

جعفر علی خانِ زکی

مرد عمدہ روزگار یست، متوطنِ دہلی بادشاہ محمد شاہ بر اُو فرمایشِ مثنویِ حقّہ کردہ بود- دو سہ شعر موزوں کرد- دیگر سرانجام ازو نیافت- اکنوں شیخ محمد حاتم کہ نوشتنہ آمد باتمام رسانید د آں مثنوی خالی از مزہ نیست- پنج چار سال پیش ازیں خانۂ جعفر علی خاں مجمعِ یاراں ریختہ مقرر بود- خداوند چہ واقع شد- کہ برہم خورد- شعر ریختہ را جستہ جستہ میگوید- انچہ از اشعار شنیدہ شدہ، نوشتہ شدہ- از وست

چمکتے دانت دیکھے یار کے پر نخیں جانے ہیں
جڑی ہیں گیپتاں الماس کی نیلم نے خانے ہیں

از مثنویِ اوست در منقبت گفتہ

قضا کے راج کی صنعت گری دیکھ ۞ نبی کے آل کی بارہ دری دیکھ

نبی کی آل پر جھ دار جانا ۞ اسی بارہ پلی سے پار جانا

در تعریف عشق و آبلہ پا میگوید-

برہ کی راہ کے کوہر پھپھولے ۞ کہ کاٹے باٹ میں جاتے ہیں تولے

میاں صلاح الدین تمکین

تمکین تخلص، جوانے ز تمکینے نہ متمکن۔ باصطلاح یاران شوخ طبع مردیست درویش وضع بکسے کار ندارد۔ بہر طوریکہ باشد بسر میبرد۔ از وست۔

حُسن اور عشق کو جس روز کہ ایجاد کیا
مجکو دیوانہ کیا تجبکو پریزاد کیا

میاں جُگن

خالہ زادہ شیر انگن خانِ حال است۔ دعوے شاگردیِ فقیر میکند بارے سرسخن دارد خداش زندہ دارد۔

اس دل مریضِ عشق کو آزار ہی بھلا ؛ چنگا ہو تو ستم ہے یہ بیمار ہی بھلا

محمد امان اللہ غریب

غریب تخلص یادش بخیر یک آشنائے بامزہ داشتم۔ لبسیار خوش ظاہر بود۔

زبانش لکنت داشت۔ ازیں سبب گاہے۔ الکن ہم تخلص
می آورد۔ چوں اکثر در باغاتِ مغلپورہ میرفت۔ بندہ اورا
ارنڈ باغاتی میگفتم لسبب پریشانیِ روزگار قریب دو سال ہست
کہ بسمتِ بنگالہ رفت۔

تیری بغل ہی ہیں دلِ پُر داغ ہی غریب
حسرت چمن کی کاہیکو یہ باغ ہی غریب

محمد محسن سلمہ اللہ

مُحسن تخلص میکند۔ برادرزادۂ فقیر مولف است۔ ذہنش
بسیار مناسب و سلیقہ اش خیلے درست معلوم میشود۔ مصرع
ریختہ بمشورت من موزوں میکند۔ سنش نام خدا تا بہ بست
سالگی رسیدہ باشد۔ خوب خواہد گفت انشاء اللہ۔ از وست۔

یوسفِ مصر پہنچتا ہی کوئی تجھسے دلبر عزیز دلہا کو

حرف تیرے عقیق لب کا شوخ ٭ زندہ کرتا ہی نام عیسےٰ کا

دوڑے گئے وہ کوہ کن و قیس کے جو تھے

میرے جنوں کا اب تو زمانہ میں شور ہی

محسن تمام عمر مجھے روتے ہی کٹی

اس غم کدہ میں آہ کہیں بھی سرور ہی

مرا رنگِ رو اس قدر زرد ہی ٭ کہ یہاں زعفران زار بھی گرد ہی

طپش تشنہ لب تڑپے ہی تھا لیا ٭ دھڑکے کا دل میں مرے درد ہی

اگر شیخ دوزخ میں گرمی ہی زور ٭ مرے پاس بھی ایک دم سرد ہی

بہتوں کا عاشقی میں یہاں کال ہوگیا ہے

اے دل ابھی سے تیرا یہ حال ہوگیا ہے

ٹک راہ پر تو آؤ اب سیر کو کہ محسن

مانندِ نقشِ پا کے پامال ہوگیا ہے

تعزیت دارِ حسرتِ دل ہے ٭ یہ جو گریہ کا جامہ آبی ہے

دلِ پُر آبلہ مرا محسن ٭ رشکِ آئینہ حبابی ہے

اُس کے کوچہ میں ہی کچھ نالۂ شب کا چرچا
دیکھیو کوئی میاں میرا تو مذکور نہیں
طبعِ نازک کو مرے ہاتھ ہی میں رکھیو کہ میں
قیس و فرہاد سا دہقانی و مزدور نہیں

تنگ ابروؤں سے عاشق اُلٹ گئے ٭ تجھے تلوارے ای شوخ حسن ہے

کیا جانئے وہ شوخ کدھر ہی کدھر نہیں
ہم کو تو تن بدن کی بھی اپنے خبر نہیں
اُس دشت پرخطر کا میں باشندہ ہوں جہاں
آدم کا ذکر کیا ہے ملک کا گذر نہیں
دِل دینے پر ہو جیو تو کرو خانماں خراب
یہ عاشقی ہے شیخ جیونا لا کا گھر نہیں

مر گیا پوچھی نہ پر تم نے مری حسرتِ دل
جیو کی جیو میں ہی رہی ہائے مری حسرتِ دل
مجھے تہمت سے کیا کتنا کوئی دن آگے

داغ پیسے سے جو ہاتوں پہ ہیں سب دولتِ دل
کیا حساب اتنی جفاؤں کا میں جیو میں کھینچوں
میں گرفتارِ بلا میں جو ہوا بابتِ دل

اے دیدہ خاندان تو اپنا ڈبو چکا ٭ اب رو رہا ہے کیا جو کچھ ہونا تھا ہو چکا
محسنؔ نہ روؤں میں تو بھلا کہہ کہ کیا کروں؟ ٭ ایک دل بساط میں تھا میں اس کو بھی کھو چکا

دل مرا وابستۂ زنجیرِ زلفِ یار ہے ٭ ہے تو دیوانہ پر اپنے کام کو ہشیار ہے
اور یہ عاجز تمہارا کچھ نہیں ہے تا بکار ٭ جان برلب آمدہ حاضر ہے گر درکار ہے

ٹک آکے دیکھ نہیں کچھ بھی حال آنکھوں میں
پھرے ہے اس پہ بھی تیرا خیال آنکھوں میں
نہ پوچھ دخترِ رز کی تو مجھ سے کیفیت
لئے ہی جاتی ہے دل یہ چھنال آنکھوں میں

جاں بلب ہوں میں نکل جائے نہ یہ جاں کہیں
دل میں حسرت ہی رہی جاتی ہے آ مل کہیں

کب تلک نزع کی حالت میں رہوں میں تجھ بن

ہو بھی ای مُردنِ دشوار اب آسان کہیں

جس دن تری گلی سے میں عزمِ سفر کیا ÷ ہر یک قدم پہ راہ میں نیم جگر کیا

بُت خانے کی شکست و درستیٔ کعبہ شیخ ÷ یہ سب کیا پہ شیخ نیں دل میں نہ گھر کیا

رباعی

جب تخمِ محبت ہم نے دل میں بویا ÷ دین و دنیا سے ہاتھ اپنا دھویا

اِس عشق میں ہوئے خانہ ویراں یا رب ÷ دونوں عالم سے ان نے ہم کو کھویا

میاں ضیاالدین

ضیا تخلص متوطن دہلی جوانے است مہذب، مودب، متواضع

بافقیر ربطی بسیار دارد۔ ازدست۔

جنت کا مت دو مژدہ مجھ خاک میں رُلے کو ۔ آرام وہاں بھی معلوم ایسے جلے بلے کو

گریبان و خاک اُڑاتا جوں ابر جوں بگولا

صحرا میں تو نے مجنوں وحشی ضیا بھی دیکھا

بندرابن

راقم تخلص از شاہجہان آباد است۔ مشقِ شعر از مرزا رفیع میکند۔ قبل ازیں بافقیر نیز مشورت شعر میکرد۔ با بندہ بسبب میاں ابراہیم کہ جوانے است، مربوط و مضبوط آشنا شدہ بود و میاں ابراہیم ازبسکہ با ما شاعران آشنا است، گوئی کہ ہم سلیقہ است۔ راقم مرقوم و محمد قایم کہ احوالش گزشت ہر دو ہم طرح از راقم است۔

یہاں تک قبولِ خاطر کیجیے تری جفا کو ۔۔۔ تا سب کہیں کہ راقم رحمت تری وفا کو

ایں معنی را در دیوانِ میر عبدالحی تاباں مرحوم، بہ تغیر ردیف ہمیں الفاظ مطالعہ کردہ ام۔ ظنِ غالب آنست کہ ایں شعر از تاباں مذکور است۔ چرا کہ او از مدت مشقِ سخن میکرد و ایں نو مشق است۔ اللہ اعلم۔

دل کنجِ قفس میں رو رو یاد بہت رویا ۔۔۔ ہنسنے کے تئیں گل کے کر یاد بہت رویا

ابر تر سے چشمِ گریاں کم نہیں ۔۔۔ موج دریا ہی شکنج آستیں

مژگاں سے دل بچے تو ٹکرے کرے ہے ابرو

یہ کہہ کے میں نیں اس سے جب دل کی داد چاہی

کہنے لگا کہ ترکش جس وقت ہووے خالی

تلوار پھر نہ کھینچے تو کیا کرے سپاہی

ای باغباں نہیں ترے گلشن سے کچھ غرض

مجکو قسم ہی چھیڑوں اگر برگ و بر کہیں

اتنا ہی چاہتا ہوں کہ میں اور عندلیب

آپس میں درد دل کہیں ٹک بیٹھ کر کہیں

کس کے گلے کے قطرۂ خوں ہیں تہِ زمیں ؛ جوں تکمہ اُگتے ہیں گل اونگ اتا تلک

پہنچا نہ آہ درد کو میرے کوئی طبیب ؛ یارب عجب طرح کا کچھ آزار ہے مجھے

دیکھا نہ ہو جسے میں کوئی سرزمیں نہیں ؛ پر تخمِ دل ہو سبز جہاں سو کہیں نہیں

سُنتے تھے ہم جہان میں اہلِ کرم کا ہاتھ ؛ آیا جو دید میں تو کم از آستیں نہیں

مری بدشرابیوں سے کریں توبہ میگساران ؛ زہے وہ عمل کہ ہووے سبب نجاتِ یاران

سُنا کِتنے حال ہیرا کہ جوں ابر وہ نہ رویا ؛ رکھے ہی مگر یہ قصہ اثرِ دعائے باراں

بیچوں ہوں میں اُس پاس یہ دل نیم نگہ کو ؛ اس پر بھی ستم ہی جو خریدار نہ ہووے

ای عشق مجھے کوئی طرح مار ؛ تا یار کہے کہ ہاے عاشق

کام عاشقوں کا کچھ تجھے منظور ہی نہیں ؛ کہنے کو ہے یہ بات کہ مقدور ہی نہیں
کہتا تھا کون یہ کہ خوشی ہی جہاں کے بیچ ؛ اُس بات کا تو یہاں کہیں مذکور ہی نہیں

سُنتے ہیں ہم کہ ہوتی ہی جگ میں دوام صُبح
ہوگی کبھی ای چرخ ہماری بھی شام صُبح

معصیت میری بہت ہی کہ تیری بخشش بیش
اپنی رحمت پہ نظر کر مرے عصیاں کو نہ دیکھ

صیّاد کب تو چھوڑے گا مجکو قفس سے آہ ٭ کھٹکے ہی میرے دل میں بہت خار باغ

روونے میں اس قدر تو جگر ای جگر نہ کر ٭ دیکھا نہ تو نے کچھ کہ دل و دیدہ کیا ہوئے

نامہ کا میرے اُس سے لیکر جواب پھرنا ٭ پر واسطے خدا کے قاصد شتاب پھرنا
ایک وے بھی دن تھے یارب جو تھا ہمیں میسّر ٭ گلشن میں ساتھ اُس کے پیتے شراب پھرنا

کہے کیا دردِ دل بلبل گلوں سے ٭ اُڑا دیتے ہیں اُس کی بات ہنسکر
جو چاہے گوہرِ مقصود ای دل ٭ صدف کی طرح تو پاسِ نفس کر

میاں کمترین

مردیست وارستہ، مزاجش میلانِ ہزل بسیار دارد بموافق استعدادِ خود میگوید۔ بندہ شعرِ معقول او نشنیدہ ام۔ گاہ گاہ در مجلس مُراختہ کہ ایں لفظ بوزنِ مُشاعرہ تراشیدہ اند ملاقات میشود۔ از شہر آشوب اوست۔

تو خصم دُگن کر شلجن بنیں کہئے ٭ تو بھی نہیں رہتی دو شاخہ بن تی

پلاؤ اس مست نفرانی کو تا ڑی ✣ اگاڑی اصطبل کے جا پچھاڑی

یہ متصدی نہیں ملتے اگر بھانڈوں سے راتوں میں
تو کیوں پیسے کماتے ہیں یہ نقلیں کر براتوں میں

دیکھو پکوان والی کی مزاخیں ✣ خصم کے روبرو دیتی ہے شاخیں

تم بادشاہ پسند ہو ہم کمترین تمھارے ✣ کے بیر ہم کو دوگے نازک بدن پیارے

قدر تخلص

شخصے است وارستہ از قید مذہب و ملت برجستہ از باش وضع۔ زبانِ او بزبانِ لوطیان می ماند۔ گاہے در کوچہ و بازار شہر بنظر می آید احوالِ او کما حقہ معلوم فقیر نیست از دوست۔

آئے ہیں آج تو رہ جاؤ سجن رات کی رات لیلۃ القدر سے بہتر ہے ملاقات کی رات

میر علی نقی

مرد سپاہیست، سپاہی پیشہ کافر تخلص میکند. در شعرے کہ تخلص می آرد، کافر ٹھگہ می نامد. چنانچہ اکثر در مجلس گفتہ میخواند، کہ صاحب دریں ایام یک کافر ٹھگہ موزوں شدہ ست در ایام گزشتہ دو سہ ماہ خانہ خود مجلس ریختہ مقرر کردہ بود آخر از وضع او با تنانہ او برہم خورد. در بزرگ زادگی او شبہ نیست. با فقیر ربطے دلی دارد. از وست.

کس کس طرح بتوں کی صورت نیں رنگ بگڑے
کافر ان انکھڑیوں نیں دیکھے ہیں کیا جھگڑے

عاجز تخلص

شخصے لوطی است. پر و پوچے چندے باختہ، نظر کردہ میاں کمترین اکثر در مشاعرہ حافظ حلیم کہ مردیست بسیار گرم جوش و چسپاں اختلاط. حافظ اکثر شعرہائے خوب استادان دیدہ و شنیدہ است. و حافظ حلیم شعر بطور یو اسحاق اطعمہ

میگوید۔ گاہے مصرعے خوب ہم از و سر میزند۔ چنانچہ مصرع حضرت حافظ قدس سرہ العزیز را تضمین کردہ است۔ بطرزے کہ خود میگوید۔

صبا بلطف بگو آں بخیل بابا را ٭ کہ سر بکوہ و بیابان تو دادہ ما را

وبا عاجز بیں عاجز ترین خلایق چنداں ربطے ندارد۔ از دست۔

دل بلبل مارے لئے جاتے ہیں سب مکتب کے طفل
شیخ سعدی تم بھی اب لیکر گلستاں دوڑیو

میر گھاسی

جوانے است فہمیدہ در مغل پورہ می باشد۔ تخلص از راہ اظہار قصورِ فہم در غزل نمی آرد با من ہم آشناست۔ از وست

تو ہوا ور باغ ہو اور زمزمہ کر نا بلبل تیری آواز سے جیتا ہوں نہ مرنا بلبل

عشّاق

شخصے است کھتری شعر ریختہ بسیار نا مربوط میگوید سلیقہ شع

از تخلصش پیداست. اکنوں در مجمعِ یاران ہم نمی آید کہ مردہ است۔ ایّات کہ خانۂ میاںصاحب میاں خواجہ میر مجلس ریختہ می شد، بنظر می آمد۔ و رتبہ دارئِ ایں شعر کہ نوشتہ می شود، از فیض سخن است۔ ازوست۔

خط سے زیادہ اور ہوا حسن یار کا ٭ آخر خزاں نیں کچھ نہ اُکھاڑا بہار کا

محمد میر

میر تخلص جوانے است بسیار اہل خوش طبع۔ ہرچند طرز علیحدہ دارد لیکن از خوش کردن تخلص میر نصف دلم ازو خوش است۔ ازوست۔

شہرۂ حسن سے ازبسکہ وہ محجوب ہوا ٭ اپنے چہرے سے بگڑتا ہی کیوں خوب ہوا

بسمل تخلص

پیش ز نوشتن ایں مزخرفات آوازۂ او شنیدہ بودم باز معلوم نشد کہ کجائی بود و کجا رفت ازوست۔

ٹھوپی رہ گیا بسمل وگرنہ ؛ ملاتا اپنے تئیں وہ خاک وخس میں

شاغل

شاغل تخلص جوانے بود بلکہ گاہے گاہے مصرعے موزوں میکرد۔ شاگرد بسمل مسطور میگفت۔ پیش بندہ ہم دو سہ مرتبہ آمدہ۔ اکنوں بنظر نمی آید۔ از وست۔

جانی نہیں ہے اس سے تری فکر زلف ورخ
شاغل کو روز وشب ہے تیرا ذکر زلف ورخ

دلاور خاں

پیش ازیں ہمرنگ تخلص میکرد۔ حالا بیرنگ خوش کردہ۔ میاں یکرنگ است ، مصرعے درست موزوں میکند۔ از دست۔

یار کا جب خیال آتا ہے ؛ ہوش میرا تمام جاتا ہے

دل کو تجھ عشق سے قرار نہیں ؛ اب تلک تجکو اعتبار نہیں

نہیں طلب مجھے کچھ باغبان اور ÷ دیوانہ ہوں میں گل کے رنگ و بو کا
سدا بیدار رہ غفلت سے ہوشیار ÷ مثل مشہور ہی سو یا سو چو کا

ہی ہاتھ ترا خون سے عاشق کے گرآلودہ ÷ مہندی سے سجن مت کر یار دگر آلودہ
مفلس کی خبر کب ہی اے سیم بدن تجکو ÷ افشاں سے ترا ماتھا رہتا ہی زر آلودہ
فرہاد کو محنت کی تلخی نہ کبھی ہوتی ÷ شیریں کا جو ایک بوسہ ملتا شکر آلودہ
خط مرا اُس نگار نے نہ پڑھا ÷ کیا لکھا تھا کہ یار نے نہ پڑھا
میں تو لکھتا تھا اُس کو خط نیرنگ ÷ اُس تغافل شعار نے نہ پڑھا

قدرت اللہ

قدرت تخلص اگرچہ عاجز سخن است۔ لیکن برائے خاطرِ میر عارف کہ از یارانِ درست فقیر است نوشتہ شد۔

قاصد شتاب جا کے خبر لا تو یار کی ÷ حالت نپٹ بُری ہی دلِ بیقرار کی

میر عزت اللہ بیدل

مردے سیدے بود، عاشقِ سخن۔ اکثر منقبت میگفت۔

در زمانِ محمد شاہ بادشاہ بنظر می آید۔ ایں ہم از زبانِ میر عارف بہ تحقیق رسیدہ۔ از وست۔

توگلِ باغِ اتما کی قسم ❊ سروِ گلزارِ ہل اتے کی قسم
میر میدان لافتا کی قسم ❊ میں تو عاشق ہوں مرتضےٰ کی قسم
شاعروں میں نہ میں خیالی ہوں ❊ والہ و مست ہوں ولا کی قسم

میر محمد تقی میر

فقیر حقیر میر محمد تقی میر مولفِ ایں نسخہ متوطن اکبر آباد است بسبب گردشِ لیل و نہار از چندے در شاہجہان آباد است۔

میر کے قابل ہے دل صد پارہ اس نخچیر کا ❊ جس کے ہر ٹکڑے میں ہو پیوستہ پیکاں تیر کا
جو ترے کوچہ میں آیا پھر نہیں گاڑھا اسے ❊ تشنۂ خوں میں تو ہوں اس خاک دامنگیر کا
کس طرح سے مانئے یاراں کہ یہ عاشق نہیں ❊ رنگ اڑا جاتا ہے ٹک چہرہ تو دیکھو میر کا

شب درد و غم سے عرصہ مرے جیو پہ تنگ تھا ❊ آیا شبِ فراق تھی یا روزِ جنگ تھا
مت کر عجب جو میر ترے غم میں مر گیا ❊ جینے کا اس مریض کے کوئی بھی ڈھنگ تھا

جو اس شور سے میر روتا رہے گا　　تو ہمسایہ کوئی کیونکہ سوتا رہے گا
تو یوں گالیاں غیر کو شوق سے مت　　ہمیں کچھ کہے گا تو ہوتا رہے گا

عیدِ آئندہ تک رہے گا گلا　　ہو چکی عید تو گلے نہ مِلا

آنکھوں میں جی مرا ہی ادھر یار دیکھنا　　عاشق کا اپنے آخری دیدار دیکھنا
ہونا نہ چار چشم دل اُس ظلم پیشہ سے　　ہشیار زینہار خبردار دیکھنا

تجھ سے ہر آن میرے پاس کا آنا ہی گیا　　کیا گلا کیجیے غرض اب وہ زمانہ ہی گیا
ہم اسیروں کو بھلا کیا جو بہار آئے نسیم　　عمر گزری کہ وہ گلزار کا جانا ہی گیا
جی گیا میر کا اس لیت و لعل میں لیکن　　نہ گیا ظلم ہی تجھ سے نہ بہانا ہی گیا

بھری تھی آگ سے سو ہر دو دل میں میر ایسی تو　　کہ کہتے ہی سجن کے رو برو قاصد کا مُنھ آیا

کفِ جاناں سے ممکن نہیں رہائی میر کوئی ہو　　اچنبھا ہی جو اُس کے ہاتھ سے رنگِ حنا چھوٹا

اب وہ جگر طپش سے تڑپتا ہے تشنہ لب　　مدت تلک جو میر کا لوہو پیا کیا

دل میں بھرا زبسکہ خیالِ شراب تھا　　مانند آئنہ کے مرے گھر میں آب تھا
ٹک دیکھ آنکھیں کھول کے اُس دم کی حسرتیں　　جس دم یہ سُوجھے گی کہ یہ عالم بھی خواب تھا

جو اے قاصد وہ پوچھے میر بھی ایدھر کو چلتا تھا
تو کہیو جب چلا ہوں میں تو اُس کا دم نکلتا تھا
نہ گئی تسبیح اس کی نزع میں بھی میر سے ہرگز
اُسی کے نام کی سُمرن تھی جب منکا ڈھلکتا تھا

مُغاں مجھ مست بن پھر خندۂ قلقل نہ ہووے گا
مئے گلگوں کا شیشہ ہچکیاں لے لے کے رویگا

اب تو جاتا ہی ہے کعبہ کو تو بُت خانے سے　　جلد پھر یو تجھے ای میر خدا کو سونپا

ترے عشق سے آگے سودا ہوا تھا　　پر اتنا میں ظالم نہ رسوا ہوا تھا
خزاں الفت اُس پہ نہ کرنی بجا تھی　　یہ غنچہ چمن میں ابھی وا ہوا تھا

کہاں آتے میسر مجکو تجھ سے خود نما اتنے　　بحسنِ اتفاق آئینہ تیرے روبرو ٹوٹا

طراوت تھی چمن میں وگویا اشکِ قمری سے　ادھر آنکھیں مندی اُس کی کہ اُدھر آب جو کھوٹا

شب زخمِ سینہ اوپر چھڑکا تھا میں نمک کو　ناسور تو کہاں تھا ظالم بڑا مزا تھا

آنکھیں کھلیں جب جیو میر کا گیا تب　دیکھے سے تجکو ورنہ میرا ابھی جیو چلا تھا

ہم نے کہا تھا تیرے تئیں آ و سمجھ نہ ظلم کر　آخرِ کار تلے وفا جیو ہی گیا نہ میر کا

قابو خزاں سے ضعف کا گلشن میں بن گیا　دوش ہوا پہ رنگِ گل یاسمن گیا
برگشتہ بخت دیکھ کہ قاصد سفر میں سے　پہنچا تھا اُس کے پاس سو بے میر وطن گیا

مر گیا تیشہ پہ سنگسار کیا　نخلِ ماتم مرا یہ پھل لایا

دیدۂ حرم میں کیونکہ قدم رکھ سکوں میں　مجھ سے ایدھر تو بت پھرا اُدھر خدا پھرا

جبکہ تابوت مرا جائے شہادت سے اُٹھا
شعلۂ آہ دلِ گرم محبت سے اُٹھا

عمر گزری مجھے بیمار ہی رہتے ہی بجا
دل عزیزوں کا اگر میری عیادت سے اٹھا

یک پارہ جیب کا بھی بجا میں نہیں سیا	وحشت میں کوئی سیا کہیں کا کہیں سیا

دل پہنچا ہلاکت کو بیٹھ کھینچ کسا لا	ای یار مرے سلمہ اللہ تعالیٰ
جس گھر میں ترے جلوے سے ہو چاندنی کا فرش	واں چادرِ مہتاب ہی مکڑی کا سا جالا
کچھ میں نہیں اس دل کی پریشانی کا باعث	برہم ہی مرے ہاتھ لگا تھا یہ رسالا

پل میں جہاں کو دیکھتے میرے ڈبو چکا	ایک وقت میں یہ دیدہ بھی طوفان رو چکا
افسوس میرے مردہ پر اتنا نہ کر کہ اب	پچھتانا عبث ہی جو ہونا تھا ہو چکا
ایک چشمک پیالہ ہے ساقی بہار عمر	جھپکی لگی کہ دور یہ آخر ہی ہو چکا
ہر صبح حادثہ سے یہ کہتا ہی آسمان	دے جام خون میر کو گر منہ وہ دھو چکا

میں بھی دنیا میں ہوں اک نالہ پریشاں یکجا	دل کے سو ٹکڑے میرے اور سبھی نالاں یکجا
سر سے باندھا ہی کفن عشق میں تیرے یعنی	جمع ہم نے بھی کیا ہی سر و ساماں یکجا

گزرا نباہ چرخ سے نالہ پگاہ کا — خانہ خراب ہو جیو اس جیو کی چاہ کا

آنکھوں میں جیو مرا ہی ادھر دیکھتا نہیں — مرتا ہوں میں تو ہائے رے صرفہ نگاہ کا

یک قطرہ خون ہو کے مژہ سے ٹپک پڑا — قصہ یہ کچھ ہوا دل غفراں پناہ کا

ظالم زمیں سے لوٹتا دامن سنبھال کے ہیں — ہوگا کمیں میں ہاتھ کسی دادخواہ کا

کیا طرح ہی آشنا گاہے گاہے نا آشنا — یا تو بیگانہ ہی رہیے ہوجیے یا آشنا

پائمالِ صد جفا ناحق نہ ہو اے عندلیب — سبزۂ بیگانہ بھی تھا اس چمن کا آشنا

بلبلیں وے کے یوں کہتی تھیں ہوتا کاشکے — یک مژہ رنگ قرار اس چمن کا آشنا

گل و لالہ کہاں سنبل سمن اور نسترن — خاک سے یکساں ہوئے ہیں ہائے کیا کیا آشنا

کیا دن تھے وے کہ یہاں بھی دل آرمیدہ تھا — رو آشیان طایرِ رنگ پریدہ تھا

قاصد جو واں سے آیا تو شرمندہ میں ہوا — بیچارہ گریہ ناک گریباں دریدہ تھا

حاصل نہ پوچھ باغ شہادت کا بو الہوس — یہاں پھل ہر ایک نخل کا حلقِ بریدہ تھا

مت پوچھ کس طرح سے کٹی رات ہجر کی — ہر نالہ میری جان کو تیغِ کشیدہ تھا

خواہ مجھ سے لڑ گیا اب خواہ اس سے مل گیا

کیا کہوں ای ہم نشیں میں تجھ سے حاصل دل گیا

اوٗ نکیلے یہ تھی کہاں کی ادا　　کھُب گئی جیو بیچ تیری بانکی ادا
خاک میں مل کے میر اب سمجھے　　نے ادا ئی تھی آسماں کی ادا

سنو ہو جل ہی بجھوں گا کہ ہو رہا ہوں میں
چراغ مضطرب الحال صبح گاہی کا

گرچہ سردار مزوں کا ہے امیری کا مزا　　چھوڑ لذات کو اور لے تو فقیری کا مزا
اوکہ آزاد ہے ٹک چکھے نمک مرغ کباب　　تا تو جانے کہ یہ ہوتا ہے اسیری کا مزا

موندر کھنا چشم کا ہستی میں عین دید ہے　　کچھ نہیں آتا نظر جب آنکھ کھولے ہے حباب

مت ڈھلک مژگاں سے میرے اے سرشک آبدار
مفت ہی جاتی رہے گی تیری موتی کی سی آب

دیکھ خورشید تجھکو اے محبوب　　عرق شرم میں گیا ہے ڈوب
میر شاعر بھی زور کوئی تھا　　دیکھتے ہو نہ بات کا اسلوب

دستِ صیاد تلک بھی میں نہ پہنچا جیتا ٭ بیقراری نیں لیا مجکو تہ دام بہت

سہل ہو جھیں تجھے دشواریاں عاشق کی آہ حسرتیں کتنی گرہ تھیں رمق ایک جان کے بیچ

حال گلزار زمانہ کا ہے مانا بشفق رنگ کچھ اور ہی ہو جائے ہی ایک آن کے بیچ

تاک کی چھاؤں میں جوں مست پڑے سوتے ہو اینڈتی ہیں نگہیں سایۂ مژگاں کے بیچ

نکلے گی میری قبر سے آواز میرے بعد ٭ ابھریں گے دل سے عشق ترے راز میرے بعد

بن گل ہوائے آہ میں توجا کے لوٹیو ٭ صحنِ چمن میں اے پر پرواز میرے بعد

میرے سنگِ مزار پر فرہاد ٭ رکھ کے تیشہ کہے ہی یا اُستاد

ادھر تلک ہی عرش کے مشکل ہے ٹک گزر

ای آہ پھر اثر تو ہے برچھی کی چوٹ پر

ہم تو اسیرِ کنجِ قفس ہو کے مر چلے ای اشتیاقِ سیرِ چمن تیری کیا خبر

پاس رہنے کا نہیں ایک بھی تار آخرکار ہاتھ سے جائے گا سر رشتۂ کار آخرکار

نہ ہو ہرزہ درا اتنا خموشی ای جرس بہتر　　نہیں اس قافلہ میں اہل دل ضبط نفس بہتر
نہ ہونا ہی بھلا تھا سامنے مجھ چشم گریاں کے　　نظر ای ابر اب آپ ہی نہ آویگا برس بہتر

دیکھوں میں اپنی آنکھوں سے آوے مجھے قرار　　ای انتظار تجھکو کسی کا ہو انتظار
ساقی تو ایک بار تو توبہ تو ڑا میری　　توبہ کروں جو پھر میں تو توبہ ہزار بار

کر رحم ٹک کب لگ ستم مجھ پر جفا کار اس قدر
ایک سینہ خنجر سیکڑوں ایک جان و آزار اس قدر
بھاگے مری صورت سے وہ عاشق میں اسکی شکل پر
میں اُس کا خواہاں یہاں تلک وہ مجھسے بیزار اس قدر

قطعہ

دل دماغ اور جگر یہ سب ایکبار　　کام آئے فراق میں اے یار
کیوں نہ ہو فتح ضعف اعضا پر　　مر گئے اس قشون کے سردار

مجکو پوچھا بھی نہ یہ کون ہی غمناک ہنوز　　ہو چکی حشر میں میں وا ہوں تہ خاک ہنوز
اشک کی لغزش مستانہ پہ مت کیجو نظر　　دامن دیدہ گریاں ہی مرا پاک ہنوز

باقی نہیں ہی دل میں یہ غم ہی بجا ہنوز — ٹپکے ہے خون دمبدم آنکھوں سے تا ہنوز
احوال نامہ بر سے مرا سن کے کہ اٹھا — جیتا ہی وہ ستم زدہ مہجور کیا ہنوز

بارہا چل چکی تلوار تیری چال پہ شوخ — تو نہیں چھوڑتا اس طرز کی رفتار ہنوز
منتظر قتل کے وعدہ کا ہوں اپنے یعنی — جیتا مرنے کو رہا ہی یہ گنہگار ہنوز

ای ابر تر تو اور کسی سمت کو برس — اس ملک میں ہماری ہیں یہ چشم تر ہی بس
حرماں تو دیکھ پھول بکھیرے تھی کل صبا — ایک برگ گل گرا نہ جہاں تھا مرا قفس

مر گیا میں ملا نہ یار افسوس! — آہ افسوس صد ہزار افسوس!
یوں گنواتا ہی دل کوئی مجکو — یہی آتا ہی بار بار افسوس

آج کل کاہیکو بتلاتے ہو گستاخی معاف — راستی یہ ہی کہ وعدے ہیں تمھارے سب خلاف
پانو پہ سے اپنے میرا سر اٹھانے مت جھکو — تیغ باندھی ہی میاں تم نے کمر میں خوش غلاف

سب پہ روشن ہی کہ شب مجلس میں جلاتی ہی شمع — تجھ بھبوکے سے کو بیٹھا دیکھ بجھ جاتی ہی شمع

بالیں پہ میرے گھر سے تو آوے گا جب تلک　　کر جاوں گا سفر ہی میں دنیا سے تب تلک
اتنا دن اور دل سے تپش کر لے کاوشیں　　یہ جھمکڑا تمام ہی ہے آج شب تلک
نقاش کیونکہ کھینچ چکا تو شبیہ یار　　کھینچوں ہوں الگ ناز ہے اس کے بیاں تلک

فصلِ خزاں میں سیر کی ہم نے بجائے گُل　　چھانی چمن کی خاک نہ تھا نقشِ پائے گُل
اللہ رے عندلیب کی آوازِ دل خراش　　جیو ہی نکل گیا جو کہا اُن نے ہائے گُل

گل کی جفا بھی دیکھی دیکھی وفائے بُلبل　　یک مشت پر پڑے ہیں گلشن میں جائے بُلبل

بھلا تم نقدِ دل لیکر ہمیں دشمن گنو اب تو　　کبھی کچھ ہم بھی کر لینگے حسابِ دوستانِ دل

کیا بلبل اسیر ہی نے بال و پر کہ ہم　　گل کب رکھے ہے ٹکڑے جگر اس قدر کہ ہم
جیتے ہیں تو دکھا وینگے دعوئے عندلیب　　گل بن خزاں میں اب کے وہ رہتی ہے مر کہ ہم

گرچہ آوارہ جوں صبا ہیں ہم　　لیک لگ چلنے کو بلا ہیں ہم
آستاں پر ترے گذر گئی عمر　　اسی دروازہ کے گدا ہیں ہم
تیرے کوچہ میں تا بمرگ رکھا　　کشتۂ منتِ وفا ہیں ہم

ہم چشم ہی ہر آبلۂ پا کا میرا اشک — ازبسکہ تیری راہ میں آنکھوں سے چلا ہوں
دامن نہ جھٹک ہاتھ سے میرے کہ ستمگر — ہوں خاکِ سرِ راہ کوئی دم میں ہوا ہوں
آتے ہیں مجھے خوب یہ دونوں ہنرِ عشق — رونے کے تئیں آندھی ہوں کڑھنے کو بلا ہوں
گر ٹک ہو درد آئینہ کو چرخِ زشت میں — اِن صورتوں کو صرف کرے خاکِ خشت میں

تو گلی میں اُس کی جا آوے اے صبا نہ چنداں
کہ گڑے ہیں تیرے پھر اوکھڑ یں دلِ چاکِ دردمنداں
تیرے تیرِ ناز کے جو یہ ہدف ہوئے ہیں ظالم
مگر آہنیں تو ہے ہیں جگرِ نیازمنداں

کوئی نہیں جہاں میں جو اندوہگیں نہیں — اس غمکدہ میں آہ دلِ خوش کہیں نہیں
آگو تو لعل تو خطِ خوباں کے دم نہ مار — ہر چند اے مسیح وہ باتیں رہیں نہیں

سُن گوشِ دل سے اب تو سمجھ بے خبر کہیں — مذکور ہو چکا ہی مرا حال ہر کہیں
اب فائدہ سراغ سے بلبل کے باغباں — اطرافِ باغ ہونگے پڑے مشت پر کہیں

کیا میں نیں رو کر فشارِ گریباں — رگِ ابر تھا تارِ تارِ گریباں

دیکھیں تو تیری کب تک یہ کج ادائیاں ہیں
اب ہم نے بھی کسی سے آنکھیں لڑائیاں ہیں
ٹک سُن کہ سو برس کی ناموس خامشی کھو
دو چار دن کی باتیں اب مُنہ پہ آئیاں ہیں

مرے آگو نہ شاعر نام پاویں   قیامت کو مگر عرصہ میں آویں

نہ ایک یعقوب رویا اس الم میں   کُوا اندھا ہوا۔ یوسف کے غم میں

تیری زلفِ سیہ کی یاد میں آنسو جھلکتے ہیں   اندھیری رات ہی برسات ہی جگنو چمکتے ہیں

عام حکمِ شراب کرتا ہوں   محتسب کو کباب کرتا ہوں
ٹک تو رہ ای بناے ہستی تو   تجھکو کیسا خراب کرتا ہوں

ملنے لگے ہو دیر دیر دیکھیے کیا ہی کیا نہیں   تم تو کرو ہو صاحبی بندہ میں کچھ رہا نہیں
بوے گل اور رنگِ گل اللہ ہی اللہ ہی نسیم   لیک بقدر یک نگاہ دیکھیے تو وفا نہیں

ایسے محروم گئے ہم تو گرفتارِ چمن — کہ موئے قید میں دیوار بدیوارِ چمن
سینہ پُر داغ کا احوال میں پوچھوں ہوں نسیم — یہ بھی تختہ کبھی ہووے گا سزاوارِ چمن
خوں ٹپکے ہے پڑا نوک سے ہر ایک کے ہنوز — کس ستم دیدہ کے مژگاں ہیں یہ خارِ چمن

عاشق ہے یا مریض ہے پوچھو تو میرے سے — پاتا ہوں زرد روز بروز اس جواں کو میں

میرے اُستاد کو فردوسِ اعلیٰ میں ملے جاگہ — نہ سکھلایا بغیر از عشق مجکو خورد سالی میں

آہ اور اشک ہی سدا ہے یہاں — روز برسات کی ہوا ہے یہاں
جس جگہ ہو زمین تفتہ سمجھ — کہ کوئی دل جلا گڑا ہے یہاں

یہ غلط کہ میں پیا ہوں قدحِ شراب تجھ بن — نہ گلے سے میرے اُترا کبھی قطرۂ آب تجھ بن
میں لہو پیوں ہوں غم میں عوضِ شراب ساقی — شبِ تیغ ہو گئی ہے شبِ ماہتاب تجھ بن
کٹی عمر میری ساری جیسے شمع باد کے بیچ — یہی رونا۔ جلنا۔ گلنا یہی اضطراب تجھ بن

نسیمِ مصر کب آئی سوادِ شہر کنعاں کو — کہ بھر جھولی نہ یہاں سے لے گئی گلہائے ہجراں کو
لوئی کا ٹکڑا میرہ کا ہماری خاک پر بس ہے — گُلِ گلزار کیا درکار ہے گورِ غریباں کو

زبانِ نوحہ گر ہوں میں قضا نے کیا ملایا تھا　　میری طینت میں یا رب سودۂ دلہائے نالاں کو
گل و سنبل ہیں نیرنگِ قضا مت سرسری گذرے　　کہ بگڑے زلف و رخ کیا کیا بنائے اس گلستاں کو
کریں پامالِ ملک فرشِ رہ اس ساعت کہ محشر میں　　لہو ڈوبا کفن لاویں شہیدِ نازِ خوباں کو
صدائے آہ جیو کے پار ہوئی ہے تیر سے شاید　　کسی بیدرد نے کھینچا کسی کے دل سے پیکاں کو
کیا سیر اس خرابے کا بہت اب چل کے سو رہیے　　کسو دیوار کے سایہ میں منھ پر لیکے داماں کو

کیا ہے گر بدنامی و حالت تباہی بھی نہ ہو ✦ عشق کیسا جس میں اتنی رسوائی بھی نہ ہو

جب سے جہان میں ہے سحر تیری کی دل ہون جستجو
خانہ بخانہ در بدر کوچہ بکوچہ کو بکو

آنکھوں سے دل تلک ہیں چنے خوانِ آرزو
نوامیدیاں ہیں کتنی ہی مہمانِ آرزو
اس مجھلے کو سیر کروں کب تلک کہ ہے
دستِ ہزار حسرت و دامانِ آرزو

دلِ پر خوں ہی یہاں تجکو گماں ہے شیشہ　　شیخ کیوں مست ہوا ہے تو کہاں ہے شیشہ

شیشہ بازی تو ٹک ایک دیکھنے آ آنکھوں کی ۔۔۔ ہر مژہ پر میرے اشکوں سے رواں ہی شیشہ
جا کے پوچھا جو میں کل کارگہ مینا میں ۔۔۔ دل کی صوت کا بھی ای شیشہ گراں ہی شیشہ
کہنے لاگے کہ کدھر بہکا پھرے ہے ای مست ۔۔۔ ہر طرح کا جو تو دیکھے ہے یہاں ہی شیشہ
دل ہی سارے تھے پہ ایک وقت میں جو کر کے گداز ۔۔۔ شکل شیشہ کی بنائیں ہیں کہاں ہی شیشہ

جو ہوشیار ہو سو آج ہو شراب زدہ ۔۔۔ زمین میکدہ یکدست ہیگی آب زدہ

بنے یہ کیونکہ ملے تو ہی یا ہمیں سمجھیں ۔۔۔ ہم اضطراب زدہ اور تو حجاب زدہ

کہتے ہیں اڑ بھی گئے جل کے پر پروانہ ۔۔۔ کچھ سنی سوختگان نے خبر پروانہ
سعی اتنی تو ضروری ہی اٹھے بزم سلگ ۔۔۔ ای جگر تفتگی سے اثر پروانہ
بزم دنیا کی تو دلسوزی سنی ہو گی میر ۔۔۔ کس طرح شام یہاں ہو سحر پروانہ

اس اسیری کے نہ کوئی ای صبا پالے پڑے
یک نظر گل دیکھنے کے بھی ہمیں لالے پڑے
حسن کو بھی عشق نے آخر کیا حلقہ بگوش
رفتہ رفتہ دلبروں کے کان میں بالے پڑے

اس واسطے کانپوں ہوں کہ ہے آہ بنٹھ سرد
یہ باو کلیجے کے کہیں پار نہ ہووے

کرے ہی خندہ دنداں نما تو میں بھی روؤنگا
چمکتی زور ہے بجلی مقرر آج باراں ہے

چمن پر نوحہ زاری سے ہی کس کا عام یہ ماتم
جو شبنم ہی تو گریاں ہی جو بلبل ہی تو نالاں ہے

الم سے یہاں تئیں تو ہیں ہیں مشق ناتوانی کی
کہ میری جان نہیں تن پر میرے آخر گرانی کی
چمن کا نام سُنا تھا ولے نہ دیکھا ہائے
جہاں میں ہم نے قفس ہی میں زندگانی کی

سمجھے ہی نہ پروانہ نہ تھا نبے ہی زبان شمع وہ سوختنی ہے تو یہ گردن زدنی ہی

لیتا ہی نکلتا ہی میرا لخت جگر اشک انسو نہیں گویا کہ یہ ہیرے کی کنی ہی

ای میرے جگر ٹکڑے ہوا دلکی تپش سے   شایدکہ میرے جیو پر اب آن بنی ہی

گرم ہی شور سے تجھ حسن کے بازار کئی   رشک سے جلتے ہیں یوسف کے خریدار کئی
اپنے کوچہ سے نکلیو تو سنبھالے دامن   یادگارِ مژہٗ میر ہیں وہاں خار کئی

صبح سے بن علاج تو خوش ہے   تیرا بیمار آج تو خوش ہی
میر پھر کہیو سرگزشت اپنی   بارے یہ کہہ مزاج تو خوش ہی

مرہی جاویں گے بہت ہجر میں ناشاد رہے
بھول تو گئے ہو ہمیں پر یہ تمہیں یاد رہے
ہم سے دیوانہ پھریں شہر میں سبحان اللہ
دشت میں قیس پھرے کوہ میں فرہاد رہے

مرے دردِ دل کا تو یہ جوش ہے   کہ عالم جوانِ سیہ پوش ہے
گیا رو برو اس کے کیوں آینہ   کہ بیہوشی اس کا دم اور بیہوش ہے

اچھا ہی اگر چپکا رہوں مجھ پر عتاب آوے   وگر قصہ کہوں اپنا تو سنتے اس کو خواب آوے

لپیٹا ہی دل سوزاں کو اپنے میں نے خط میں الٰہی نامہ بر کو اُس کے لیجانے کی تاب آوے
اس دشت میں ای سیل سنبھل ہی کے قدم رکھ ہر سمت کو یہاں دفن میری تشنہ لبی ہے

بتاں تو چھوڑ دیتے کرکے خاکِ راہ کے صدقے
مجھے محفوظ رکھا اپنے میں اللہ کے صدقے

کیا خط لکھوں میں گریہ سے فرصت نہیں رہی
لکھتا ہوں تو پھرے ہے کتابت بہی بہی

ملوں کیونکہ ہمرنگ ہو تجھ سے ظالم تیرا رنگ شعلہ مرا رنگ کاہی

اب خدا مغفرت کرے اُس کو صبر مرحوم تھا عجب کوئی

سبھوں کے خط لیے پوشیدہ قاصد آج جاتا ہی
چلا ہے یار کے کوچہ کو اور مجھ سے چھپاتا ہی

ہو گئی شہر شہر رسوائی ای میری موت تو بھلی آئی

میر جب سے گیا ہے دل تب سے ۔ میں تو کچھ ہو گیا ہوں سودائی

بارے نسیم ضعف سے کل ہم اسیر بھی ۔ سناٹے میں جیب کے گلستاں تلک گئے
صد کارواں وفا ہے کوئی پوچھتا نہیں ۔ گویا متاع دل کے خریدار مر گئے

تمام اُس کے قد میں سناں کی طرح ہے ۔ نکیلی میٹھ اُس جوان کی طرح ہے
اوڑے خاک گاہے رہے گاہ ویراں ۔ خراب اور پریشاں یہاں کی طرح ہے
تعلق کرو میر اس پر جو چاہو ۔ مری جان یہ کچھ جہاں کی طرح ہے

آتش کے شعلے سر سے ہمارے گزر گئے ۔ بس اے تپ فراق کہ گرمی میں مر گئے
ناصح نرو وہیں کیونکہ محبت کے جیو کو ہم ۔ اے خانماں خراب ہمارے تو گھر گئے

ہنگامہ میری نعش پہ تیری گلی میں ہے ۔ لیجائینگے جنازہ کشاں یہاں سے کب مجھے

کاتب کہاں دماغ جواب شکوہ تانیے ۔ بس ہے یہ ایک حرف کہ مشتاق جانیے
شب خواب کا لباس ہے عریاں تنی میں یہ ۔ جب سوئیے تو چادر مہتاب تانیے

کب تلک جیو رسے خفا ہووے
آہ کرنے کی ٹک ہوا ہووے

نے کلی مارے ڈالتی ہے نسیم
دیکھیے اب کے سال کیا ہووے

ہی یہ بازار جنوں منڈی ہی دیوانوں کی
یہاں دکانیں ہیں کئی چاک گریبانوں کی

خانقہ کا تو نہ کر قصد ٹک ای خانہ خراب
یہی ایک رہ گئی ہی بستی مسلمانوں کی

کیونکہ کہیے کہ اثر گریۂ مجنوں میں نہ تھا
گرد نمناک ہی اب تک بھی بیابانوں کی

نہیں وسواس جیو گنوانے کے
ہائے رے ذوق دل لگانے کے

میرے تغیر حال پر مت جا
اتفاقات ہیں زمانے کے

غافل میں رہا تجھ سے نپٹ تا بجوانی
ای عمر گزشتہ میں تیری قدر نجانی

مدت سے ہیں ایک مشت پر آوارہ چمن میں
نکلی ہی یہ کس کی ہوس بال فشانی

یہ جان اگر بید مولہ کہیں دیکھے
رہ گئی ہی کسی موے پریشاں کی نشانی

بھاتی ہے مجھے ایک طلب بوسہ میں یہ آن
لکنت سے الجھ جا کے تجھے بات نہ آنی

بسکہ ہی گردوں دوں پرور دنی
ہوئے پیوند زمیں یہ رفتنی

بزم میں سے اب تو چل ای رشک صبح
شمع کے منہ پر تو پھر گئی مردنی

اس ستم دیدہ کی صحبت سے جگر لوہو ہے　　آب ہو جاے کہ یہ دل خلۂ پہلو ہے

دہر بھی میر طرفہ مقتل ہے　　جو ہے سو کوئی دم میں فیصل ہے
روز کہتے ہیں ملنے کو خوباں　　لیکن اب تک تو روز اول ہے

ق

ہجر باعث ہے بدگمانی کا　　غیرت عشق ہے تو کب کل ہے
مر گیا کوہکن اسی غم سے　　آنکھ اوجھل پہاڑ اوجھل ہے

خنجر بکف وہ جب سے سفاک ہو گیا ہے　　ملک ان ستم زدوں کا سب پاک ہو گیا ہے
دیوار کہنہ ہے یہ مت بیٹھ اس کے سایے　　اُٹھ چل کہ اسماں سب کاواک ہو گیا ہے
زیر فلک بھلا تو رووے ہے آپ کو میر　　کس کس طرح کا عالم یہاں خاک ہو گیا ہے

ساقی گھر چاروں اُور آیا ہے　　دے بھی مے ابر زور آیا ہے
ذوق تیرے وصال کا میرے　　ننگے سر تا بگور آیا ہے

کل ہم سے اس سے بارے مُلاقات ہو گئی　　دو دو بچن کے ہونے میں اک بات ہو گئی
کن کن مصیبتوں سے ہوئی صبح شام ہجر　　سو زلفیں ہیں بنائے اسے رات ہو گئی

گردشِ نگاہِ مست کی موقوف ساقیا　　مسجد تو شیخ جیو کی خرابات ہو گئی
کتنا خلاف وعدہ ہوا ہوگا وہ کہ یہاں　　نومیدی اور اُمید مساوات ہو گئی
اپنے تو ہونٹھ بھی نہ ملے اُس کے رُوبرو　　رنجش کی وجہ میرؔ وہ کیا بات ہو گئی

چل قلم غم کی رقم کوئی حکایت کیجے　　ہر سرِ حرف پہ فریاد نہایت کیجے

قصد اگر امتحان ہے پیارے　　اب تلک نیم جان ہے پیارے
سجدہ کرتے ہیں سر کٹیں ہیں جہاں　　سو ترا آستان ہے پیارے
میرؔ عمدًا بھی کوئی مرتا ہے　　جان ہے تو جہان ہے پیارے

رباعی

تجھ رہ سے محال ہے اُٹھانا مجکو　　خبطی کہے کوئی کہے سیانا مجکو
سر میرا لگا ہے نقشِ پا سے تیرے　　سجدہ کو خدا کے بھی بجانا مجکو

مسجد میں تو شیخ کو خروشاں دیکھا　　میخانہ میں جوشِ بادہ نوشاں دیکھا
ایک گوشۂ عافیت جہاں میں ہم نے　　دیکھا سو محلۂ خموشاں دیکھا

کاہیکو کوئی خراب خواری ہوتا　　کاہیکو کسی پہ جان بھاری ہوتا

دلخواہ ملاپ ہوتا تو تو ملتے ÷ اے کاشکے عشق اختیاری ہوتا

جگ میں جوں شمع پانو جل کر رکھنا ÷ بانکے بگولا ہاتھ مل کر رکھنا
آیا ہی قمار خانہ عشق میں تو ÷ سربازی ہے یہاں قدم سنبھل کر رکھنا

کیا کریے بیاں مصیبت اپنی پیارے ÷ دن عمر کے میری غم میں گزرے سارے
رنج و ضعف و بلا مصیبت محنت ÷ پنپا ہی نہیں تو ان دکھوں کے مارے

پیغمبر حق نے حق دکھایا اس کا ÷ معراج ہے کمترین پایا اس کا
سایہ جو اسے نہ تھا یہ باعث ہے گا ÷ کل حشر کو ہوگا سب پہ سایا اس کا
دل تجھ پہ جلے نہ کیونکر مرا بیتاب ÷ یہاں مجکو توقع ہے کہ لا ہی جواب
وہاں ان نے شراب پی کے مستی میں میر ÷ کر کھائے بھی نامہ بر کتو بر کے کباب

بدانکہ ریختہ بر چندیں قسم است۔ ازانجملہ آنچہ معلوم فقیر است نوشتہ می آید۔ اول آنکہ یک مصرع فارسی و یک ہندی۔ چنانچہ قطعہ حضرت امیر علیہ الرحمۃ نوشتہ شد۔ دوم آنکہ نصف مصرع ہندی و نصف فارسی۔ چنانچہ شعر میر معزؔ کہ نوشتہ آمد۔ سوم آنکہ حرف و فعل فارسی بکار میبرند، و ایں قبیح است۔ چہارم آنکہ ترکیبات فارسی

می آرند اکثر ترکیب کہ مناسبِ زبانِ ریختہ می افتد، آں جایز است۔ و ایں را غیر شاعر نمی داند۔ و ترکیبے کہ نا مانوسِ ریختہ می باشد آں معیوب است، و دانستنِ ایں نیز موقوفِ سلیقۂ شاعری است۔ و مختار فقیر ہم ہمین است۔ اگر ترکیب فارسی موافقِ گفتگوے ریختہ بود مضایقہ ندارد۔ پنجم ایہام است کہ در شاعران سلف دریں فن رواج داشت اکنوں طبعہا مصروفِ ایں صنعت کم است، مگر بسیار بشستگی بستہ بشود۔ معنی ایہام ایں است، کہ لفظے کہ بر او بناے بیت بود آں دو معنی داشتہ باشد یکے قریب و یکے بعید و بعید منظور شاعر باشد و قریب متروکِ او۔ ششم انداز است، کہ ما اختیار کردہ ایم و آں محیط ہمہ صنعتہا است۔ تجنیس، ترصیع۔ تشبیہہ۔ صفاے گفتگو۔ فصاحت۔ بلاغت۔ ادا بندی۔ خیال وغیرہ۔ اینہمہ درضمنِ ہمین است۔ و فقیر ہم از ہمین وتیرہ منظوم ہر کہ را در ایں فن طرزِ خاصی است ایں معنی را می فہمد۔ باعوام کار ندارم، اینکہ نوشتہ ام براے یارانِ من سند است نہ براے ہر کس زیراکہ عرصۂ سخن وسیع است و از تلونِ چمنستانِ ظہور آگہم۔ مصرع

ہر گلے را رنگ و بوے دیگر است

تمام شد